قیمت: پانچ روپے Rs.5/-

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد: ۳۴ شمارہ: ۳۶ ۳ رتا ۹ رستمبر ۲۰۲۱ء — ۲۴-۳۰ رمحرم الحرام ۱۴۴۳ھ
Year-34 Issue-36 3 - 9 September 2021 Page 16

پارلیمنٹ میں بحث کا گرتا ہوا معیار

ذمہ دار کون

کیا سیاسی پارٹیاں اس پر توجہ دیں گی؟

پارلیمنٹ کا مانسون اجلاس جس طرح اپنے انجام کو پہنچا وہ ہر محبِّ وطن شہری کے لیے باعثِ تشویش ہے، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس مسٹر این وی رمن نے اس سلسلہ میں جس تشویش کا اظہار کیا ہے وہ بہر حال ایک لمحۂ فکریہ ہے۔ محمد سالم جامعی

لوک سبھا کا مانسون سیشن پورے ملک کو نم کرنے کے ساتھ ساتھ پورے پارلیمانی طرز کو آئین کی توہین کے آنسوؤں سے بھگو کر چلا گیا ہے۔ آزاد ہندستان کی تاریخ میں یہ پہلا سیشن کہا جائے گا جس نے پارلیمنٹ چلنے کے نام پر لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں صرف ایک دن کے کچھ گھنٹوں کو چھوڑ کر کوئی حرکت تک نہیں کی۔ اس کے کل منعقدہ اُنیس اجلاسوں میں ایک کے بعد ایک بل بھاری شوروغل اور ہنگامہ کے درمیان پاس ہوتا گیا۔ اس کے ساتھ ہی راجیہ سبھا میں پچھلے ہفتہ جو ہنگامہ ہوا اور زرعی شعبہ کے موضوع پر ہونے والی بحث کو لے کر ایوان کے ضابطوں کے بارے میں جو تنازعہ پیدا ہوا اور جس کے نتیجہ میں ایوان میں سیکریٹری جنرل کی میز پر کانگریس کے رکن پارلیمان مسٹر پرتاپ سنگھ باجوا کے چڑھنے اور ضابطہ کی کتاب کو پھینکنے جیسی حرکتیں وجود میں آئیں۔ اس سے یہی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ پارلیمنٹ میں مقنّنہ اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کی پوزیشن میں آگئی ہے جس سے کہیں نہ کہیں پارلیمانی دستور کا تقدس اور پاکیزگی شکوک کے دائرے میں آتی جارہی ہے۔ سوال یہاں حکمراں جماعت اور اپوزیشن کا نہیں ہے کیونکہ جمہوریت میں ایوان کے اندر سیاسی پارٹیوں کے حصار بدلتے رہتے ہیں، یہاں اہم سوال پارلیمانی کارروائی کی پاکیزگی کا ہے جسے قائم رکھنے کے لیے ہمارے دستور سازوں نے ہمارے ہاتھ میں ایسا نظام سونپا تھا جس پر چلتے ہوئے ہم ہر حال میں پارلیمنٹ کی عزت و توقیر قائم رکھنے میں کامیاب ہوتے رہیں لیکن پارلیمنٹ کے مانسون سیشن میں جو حالات ابتدا ہی سے بنے انھوں نے پورے دستور کو ہی خطرے میں ڈال دیا ہے۔

(باقی ص۱۲ پر)

اندر پڑھیے

• ارتداد کی لہر: ایک لمحۂ فکریہ ص۵
• جنگ آزادی میں تضادات کی لہریں ص۸
• جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا حصہ ص۹
• قرآن کریم کی صحیح تلاوت ہے اس کا حق ص۱۰

قطر-حمادایئرپورٹ ہے دُنیا کا بہترین ایئرپورٹ

بہترین لگژری سہولیات، فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے اوراسٹیٹ آف دی آرٹ ٹرمینل کمپلیکس کی وجہ سے قطر کے حمادایئرپورٹ کو دنیا کا بہترین ایئرپورٹ قرار دیا گیا ہے۔ دنیا بھر میں ایئرپورٹ کی رینکنگ کرنے والے ادارے اسکائے ٹریکس کے ورلڈسروے کے مطابق دنیا کے دس بہترین ایئرپورٹس میں قطر کا حمادایئرپورٹ سرفہرست ہے جبکہ ٹوکیو کا ہانیدا ایئرپورٹ دوسرے اور سنگاپور کا چانگی ایئرپورٹ تیسرے نمبر پر ہے۔ یہ فہرست ۲۰۲۰ء تا۲۰۲۱ء کے عرصے میں دنیا بھر کے فضائی مسافروں سے کی گئی ووٹنگ کے بعد جاری کی گئی ہے۔

حماد ایئرپورٹ، دوحا، قطر

حمادایئرپورٹ دارالحکومت دوحا میں واقع ہے۔ اس کا فن تعمیر بہت اعلیٰ ہے، اس کے ٹرمینل کمپلیکس کی تعمیرات کوفن تعمیر کا نمونہ اورسب سے زیادہ پرآسائش مانا جاتا ہے۔ یہ قطرایرویز کا مرکزی ہوائی اڈہ بھی ہے۔

ہانیدا ایئرپورٹ، ٹوکیو، جاپان

جاپانی دارالحکومت ٹوکیو میں واقع ہانیدا ایئرپورٹ کا شمار دنیا کے سب سے مصروف ترین ایئرپورٹس میں کیا جاتا ہے۔ ۹۰ برس پرانے اس ایئرپورٹ کے تین ٹرمینلز ہیں۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۵۲ء تک اس ہوائی اڈے پرامریکہ کا قبضہ رہا۔ یہ ہوائی اڈہ بھی اپنی سہولیات اورتعمیرات کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔

چانگی ہوائی اڈہ، سنگاپور

سنگاپور کے چانگی ایئرپورٹ کو مشرق بعید کے مصروف ترین مسافروں کا مرکز سمجھا جاتا ہے۔ اس ایئرپورٹ سے اوسطاً روزانہ سوایئرلائنز دنیا بھر کے سو سے زائد ممالک اور چا سو شہروں کے لیے پرواز کرتی ہیں۔ تقریباً ہر ہفتے سات ہزار چار سو فلائٹ اس ایئرپورٹ پر آتی ہیں جو کہ ہر ۸۰ سیکنڈ میں ایک پرواز بنتی ہے۔

انچیون ایئرپورٹ، جنوبی کوریا

انچیون ایئرپورٹ جنوبی کوریا کا سب سے بڑااور مصروف ترین ہوائی اڈا ہے۔ اسے دنیا میں چوتھا بہترین اور پہلا صاف ستھرا ایئرپورٹ قرار دیا گیا تھا۔

ٹوکیونا ریتا ایئرپورٹ، جاپان

ٹوکیونا ریتا ایئرپورٹ جاپان میں بہترین خدمات فراہم کرنے والے ایئرپورٹس میں سے ایک ہے۔ ناریتا جاپان ایئرلائنز کا بین الاقوامی ہب بھی ہے، اسے نیوٹوکیوانٹرنیشنل ایئرپورٹ بھی کہا جاتا ہے۔ ناریتا بین الاقوامی کارگوٹریفک اور مسافروں کی وجہ سے جاپان کے مصروف ترین ایئرپورٹس میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کے چار ہزار میٹرطویل مرکزی رن وے کو دنیا کا سب سے طویل رن وے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

فلسطین-اسرائیل غزہ میں کئی بڑی عمارتوں کوتباہ کر چکا ہے: ہیومن رائٹس واچ

انسانی حقوق کی عالمی تنظیم ہیومن رائٹس واچ نے فلسطین کے علاقے غزہ کی پٹی میں مئی کے وسط میں اسرائیلی فوج کی وحشیانہ بمباری میں نشانہ بنائی گئی عمارتوں اور پلازوں کے حوالے سے اپنی تحقیقات مکمل کرلی ہیں۔ انسانی حقوق گروپ کا کہنا ہے کہ اسرائیل نے جھوٹے دعوے کے تحت غزہ میں کئی بڑی عمارتوں کوتباہ کن بمباری سے تباہ کیا۔ ان عمارتوں کے ماضی یا حال میں کسی قسم کے عسکری مقاصد کے لیے استعمال کیے جانے کا کوئی ثبوت نہیں ملا ہے۔ ہیومن رائٹس واچ نے کہا کہ اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ گزشتہ مئی میں غزہ پر جارحیت کے دوران کسی بھی رہائشی ٹاور میں فلسطینی دھڑوں کی موجودہ یا سابقہ سرگرمیاں رہی ہیں۔ انسانی حقوق کی تنظیم کی ایک وسیع رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ یہاں تک کہ اگر یہ ثابت بھی ہوتا کہ ان عمارتوں کو فلسطینی عسکری پسند استعمال کرتے رہے ہیں تب بھی انھیں تباہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا کیونکہ اسرائیل کی تباہ کن بمباری سے سویلین کی املاک کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اسرائیلی فضائی حملوں نے غزہ میں چار بلندوبالا عمارتوں کوتباہ کردیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے جنگی قوانین کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ جنگی جرائم کے مترادف ہوسکتا ہے۔ حملوں نے قریبی عمارتوں کو بھی نقصان پہنچایا۔ درجنوں خاندانوں کو بے گھر کردیا اور درجنوں کاروبار بند کردیئے جو بہت سے لوگوں کے لیے روزی روٹی فراہم کا ذریعہ تھے۔ قابل ذکر ہے کہ ۱۱؍سے ۱۵؍مئی کے درمیان اسرائیلی طیاروں نے غزہ کے گنجان آبادالرمل محلے میں ہنادی، الجواہرہ، الشروق اور الجلاٹاورز پرحملہ کیا۔ ان میں سے تین کومکمل طور پر زمین بوس کردیا گیا، چوتھی عمارت الجواہرہ کوشدید نقصان پہنچا۔ یہ عمارت استعمال کے قابل نہیں رہی جسے اب مسمار کرکے دوبارہ تعمیر کیا جائے گا۔ قابض اسرائیل نے الزام لگایا تھا کہ فلسطینی مزاحمت کاروں نے ٹاورز کوفوجی مقاصد کے لیے استعمال کیالیکن انھوں نے ان الزامات کے دفاع کے لیے کوئی ثبوت فراہم نہیں کیے۔ ہیومن رائٹس واچ کے کرائسس اینڈ کنفلیکٹ ڈویژن کے محقق رچرڈ ویئر نے کہا کہ غزہ میں چارٹاوروں پراسرائیل کے حملوں نے انگنت فلسطینیوں کوشدید اور دیرپا نقصان پہنچایا جو وہاں رہتے تھے اور کام کرتے تھے، خریداری کرتے تھے اور وہاں کے کاروبار سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ تباہ ہونے والے ٹاورز میں درجنوں کمپنیوں اور نیوز ایجنسیوں کے دفاتر اورکئی رہائش گاہیں شامل تھیں۔

القدس ہماری عظیم فتح کے حصول کا مرکزی نقطہ ہوگا: ہانیہ

اسلامی تحریک مزاحمت حماس کے سیاسی بیورو کے سربراہ اسماعیل ہانیہ نے اس بات پرزوردیا ہے کہ القدس عظیم فتح اور ہماری سرزمین کی آزادی کے حصول کا مرکزی نقطہ ہوگا۔ ہانیہ نے مسجداقصیٰ میں آتش زدگی کے ۵۲ویں برسی کے موقع پر تیسرے بین الاقوامی علمی فورم کے دوران ایک تقریر میں کہا کہ سیف القدس آزادی کا گیٹ وے ہے، جوالقدس کی لڑائی کے دوران تنازع فلسطین کا ایک اہم موڑ ثابت ہوا ہے۔ القدس کی آزادی تک فلسطین کی آزادی کا تصورنہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے مزید کہا کہ خدا نے ہمیں سیف القدس کے جنگ کے دوران صحیح وقت اورمناسب طریقے سے مسجداقصیٰ اورالقدس کے دفاع کا فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے نوازا۔ انھوں نے وضاحت کی کہ سیف القدس کی جنگ نے ہرایک کودشمن کے ساتھ تصادم کی تاریخ میں ایک بے مثال مرحلے پر پہنچادیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ اللہ نے اپنی فتح کے ساتھ ہمارا ساتھ دیااوردشمن کی فوج کو بے مثال شکست دی۔ انھوں نے نشاندہی کی کہ فلسطینی مزاحمت جنگ کے دوران قابض فوج کی جانب سے گزشتہ برسوں کے دوران اختیار کی گئی، فوجی حکمت عملی کوناکام بنانے میں کامیاب ہوئی۔ اسماعیل ہانیہ نے کہا کہ اس جنگ نے ایک بارپھرظاہرکیا کہ القدس دشمن کے ساتھ تنازع کا محور ہے، تھااوررہے گا کیونکہ القدس مسئلہ فلسطین کے حل کا آغازاوریہی اس کے حل کا اختتام ہے۔ ہانیہ نے زوردے کرکہا کہ القدس کا اس وقت تک سقوط نہیں ہوسکتا، جب تک وہاں ایک جہادی روح، قابل اعتمادلیڈر، ثابت قدم لوگ اورایک قوم جو ابھی تک اپنے اصول اوربنیادی مطالبے سے جڑی ہوئی ہے۔ اس وقت تک قبلہ اوّل اورالقدس کو ہم سے نہیں چھین سکتا۔ انھوں نے وضاحت کی کہ سیف القدس نے ثابت کیا کہ مزاحمت کا انتخاب فلسطین کی آزادی کے لیے اسٹریٹجک انتخاب ہے، مذاکرت نہیں۔ اسرائیل سے مذاکرات کا انتخاب زیادہ بھٹکنے اورتصفیہ کے منصوبوں پرعمل درآمد کے نتیجے میں مزاحمت کی روح کوختم کرنے کی کوشش ہے۔

میں نے مسجداقصیٰ اپنی آنکھوں سے جلتے دیکھی: مسجداقصیٰ کے امام

مسجداقصیٰ میں غاصب صہیونیوں کی طرف سے ۵۲ سال قبل لگائی گئی آگ اور دہشت گرد صیہونی مائیکل روہان کی سازش کو باون سال ہوگئے ہیں۔ مسجداقصیٰ کے امام اورممتاز فلسطینی عالم دین الشیخ عکرمہ صبری اس وقت نوجوان تھے جب انھوں نے قبلہ اوّل میں آتش زدگی کا خوفناک مرحلہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اپنے ایک انٹرویو میں الشیخ عکرمہ صبری نے بتایا کہ جب مسجداقصیٰ میں آگ لگائی گئی تو اس وقت انھوں نے کیا دیکھا اور مسجد میں لگی آگ کو کیسے بجھایا گیا؟ وہ بتاتے ہیں کہ مسجداقصیٰ میں لگائی گئی آگ پرقابو پانے کے لیے آنے والے فلسطینیوں کوروکنے میں بھی صیہوی فوج اور پولیس پیش پیش رہی۔ یہ جمعرات ۲۱؍اگست ۱۹۶۹ء کا دن تھا۔ الشیخ عکرمہ صبری اس وقت بیت المقدس کے مشرق میں الجوز کالونی میں رہتے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ مقامی وقت کے مطابق صبح چھ بجکر۳۰ منٹ پرانھوں نے اپنے گھر سے دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف اٹھتے دیکھے۔ یہ بادل مسجداقصیٰ کی سمت میں تھے۔ ہمیں اندیشہ ہوا کہ قبلہ اوّل کو آگ لگ چکی ہے اور ہمارااندیشہ درست ثابت ہوا۔ سب لوگ اپنے تمام کام کاج چھوڑکرقبلہ اوّل کی طرف دوڑ پڑے۔ سارے مرد، عورتیں اور بچے قبلہ اوّل کی طرف جارہے تھے۔ القدس کی تمام کالونیوں میں ایک ہلچل مچ گئی تھی اورلوگ دیوانہ وارقبلہ اوّل کی طرف دوڑے چلے آرہے تھے۔ انھوں نے ہاتھ میں برتن اور کپڑے کے تھیلے اُٹھارکھے تھے جن میں وہ مٹی اور پانی اٹھاکر مسجداقصیٰ کی طرف بڑھ رہے تھے تاکہ قبلہ اوّل میں غاصب صہیونیوں کی طرف سے لگائی گئی آگ پرقابو پایا جاسکے۔ اس دوران فلسطینیوں کی فائر بریگیڈ کی گاڑیاں اورامدادی ٹیمیں بھی پہنچ گئیں مگرقابض فوج اور پولیس نے انھیں جگہ جگہ روکنے کی مذموم کوشش کی تاہم اسرائیلی رکاوٹوں کے باوجود ہم مقامی وقت کے مطابق دن میں دس بجے آگ پرقابو پانے میں کامیاب ہوگئے۔ انھوں نے بتایا کہ اسرائیل نے فوری طور پر بغیرکسی تحقیق کے دعویٰ کیا کہ مسجد میں آگ بجلی کے شارٹ سرکٹ کے باعث لگی ہے مگرعرب انجینئروں اور ماہرین نے صیہونی ریاست کے اس دعوے کو بے بنیادقراردے کرکہا کہ مسجداقصیٰ کے الیکٹرنظام میں کوئی خرابی نہیں۔ یہ آگ لگی نہیں باقاعدہ منصوبہ بندی سے لگائی گئی ہے۔

دریچۂ پاکستان

ڈاکٹرصغراصدف

زیتون، کھجور اور پاکستان

کچھ عرصے سے زیتون کی کاشت کے حوالے سے حکومتی سطح پراورخصوصاًوزیراعظم کے بیانات میں خوشگوارتذکرہ اکثر سننے میں آرہا تھا مگراس حوالے سے تفصیلات کا علم نہیں تھا کہ ایسا کیسے ممکن ہوگا کیونکہ ہر خطے کا درجہ حرارت، موسم اورآب وہوا زمین کی تاثیراور زرخیزی پر اثرانداز ہوکرفصلوں کا تعین کرتے ہیں۔ زیتون اورکھجوروہ صحت بخش پھل ہیں جن کا ذکرقرآن پاک میں موجود ہے، زیتون کا صرف تذکرہ نہیں بلکہ اس کی قسم کھائی گئی ہے۔ قسم کسی پاکیزہ شے اورمحبوب ہستی کی کھائی جاتی ہے جو وجود کے اندرپنپتی غلاظت کوطہارت میں ڈھال سکے۔ زیتون کا تیل اپنی بے شمارخوبیوں کے باعث ہر دور میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ اسی طرح کھجور کی غذائی اہمیت بھی مسلم ہے۔ کچھ عرصہ قبل میں ایتھنز گئی تو وہاں جابجازیتون کے پھل سے بھرے پودے دیکھ کردل میں خواہش پیدا ہوئی کہ کاش پاکستان میں بھی یہ مفیداور خوبصورت پودااسی طرح نظرآئے۔ آخرکار پاکستان کی زمین میں زیتون کی کامیاب کاشت خواب نہ رہی۔ اس خواب کوتعبیر دینے میں محکمہ زراعت سے جڑے ڈاکٹر عابدمحمود کی برسوں کی تحقیق نے اہم کردارادا کیا ہے۔ ڈاکٹر عابدمحموداس وقت پنجاب زرعی تحقیقاتی بورڈ لاہور کے چیف ایگزیکٹو ہیں۔ ۱۹۸۷ء میں محکمہ زراعت میں شامل ہونے کے بعدانھوں نے زمین کی نبض سے تشخیص کا آغاز کیا تو ان پر اِس کی توانائیوں کے متعلق حقائق منکشف ہونا شروع ہوئے۔ اس کی بہترنگہداشت اورعلاج معالجے کی لگن انھیں دنیا کی بہترین یونیورسٹی کیمبرج لے گئی۔ کیمبرج سے ایم فل، پی ایچ ڈی اور امریکہ سے پوسٹ ڈاکٹریٹ کے بعدوہ پوری طرح تحقیق میں مشغول ہوگئے۔ انھوں نے شب وروز کی محنت سے فصلوں کی بیالیس اقسام دریافت کیں مگرابھی وہ بڑامعرکہ باقی تھا جس کی جستجوانھیں ہرلمحہ متحرک بھی رکھتی اور بےچین بھی۔ خواب پرتقدیر کی مہرتب لگی جب انھوں نے بطورڈائریکٹر بارانی زرعی تحقیقاتی ادارہ چکوال میں زیتون پرتحقیق کا آغاز کیا۔ بڑے پیمانے پراس کی کاشت ممکن بنانے کے ساتھ یہ بھی خیال رکھا کہ کوئی ایسارستہ نکلے جس سے دیگرفصلوں کی پیداواربھی متاثر نہ ہو۔ اس مقصد کے لئے اپنے ملک سمیت دنیا کے مختلف ممالک میں پیدا ہونے والی زیتون کی اقسام کواکٹھا کیا گیا تاکہ پاکستان کی آب وہوا میں کاشت کوممکن بنایا جاسکے۔ ان کی تحقیق وجستجو نے زیتون کی دواقسام، باری زیتون-۱، اورباری زیتون-۲ متعارف کروائیں جن کی تجرباتی کاشت پوٹھوہار کے فارمز پرہوئی اورخدا کے کرم سے امیدیں توقعات سے بڑھ کرکامیاب ہوئیں۔ زیتون پر ڈاکٹرعابدمحمود کی کامیاب تحقیق کی حکومتِ وقت نے عملی پذیرائی کرتے ہوئے اس کی بڑے پیمانے پرکاشت کا فیصلہ کیا۔ بلوچستان، پنجاب اورخیبرپختونخوا کی بنجرزمینوں پربہت کم مدت میں چالیس لاکھ پودے لگائے جاچکے ہیں جن میں نصف سے زائد پرپھل بھی لگ چکا ہے۔ آئندہ برسوں میں یہ تعداد بڑھائے جانے کی شنید ہے کیونکہ زیتون کی کاشت پاکستان کے زرعی نظام میں ایک ایسی نفع بخش فصل کے طورپرابھری ہے جوملکی معیشت پردوررس اثرات مرتب کرنے کے علاوہ چھوٹے زمینداروں کے لئے نویدمسرت ثابت ہوئی ہے۔

پاکستان کا شمارکھجور پیدا کرنے والے بڑے ممالک میں ہوتا ہے لیکن یہ کھجور برآمدات میں شامل نہیں کیونکہ اس کی کوالٹی کچھ زیادہ بہتر نہیں۔ یہ بھی ڈاکٹر عابد کا احسان رہے گا کہ انھوں نے پاکستان میں دنیا میں پیدا ہونے والی بہترین اورسب سے مہنگی کھجوروں کی کاشت ممکن بنائی۔ عرب ممالک سے اجوا، امبر، خلاص اور برہی کے ابتدائی پودے منگوا کر تجربات کے بعد انھیں اس قابل بنایا گیا کہ وہ پاکستان کی آب و ہوا میں بہترین پھل دے سکیں۔ بہاولپور اور جھنگ میں کامیاب کاشت نے شعبہ زراعت کے حوصلے بلند کر دیئے ہیں۔ آئندہ برسوں میں اس کی کاشت اتنی بڑھادی جائے گی کہ یہ بھی ایک بڑی برآمد بن جائے گی۔ اسی طرح جب زیتون کی موجودہ فصل پک کرتیار ہوگی تو نہ صرف ملک میں خوردنی تیل کی درآمدکم ہوگی بلکہ یہ برآمد بھی کیا جائے گا۔ اس تحقیق کا سب سے روشن پہلو یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں پاکستان کی ہزاروں ایکڑبنجرزمین پرکاشت کاعمل شروع ہوگیا ہے۔

ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں کہ پاکستان ایک زرعی ملک ہے جس میں ۷۵ فیصدلوگوں کا کاروبارِحیات زراعت سے منسلک ہے۔ یقیناً اب پاکستان واقعتاً ایک زرعی ملک بننے جارہا ہے کیونکہ اب اس کی تمام تر زمین سونا اگلنے کی تیاریوں میں ہے۔ اسی لئے وزیراعظم پاکستان عمران خان نے زیتون کی کاشت کو بہت خوش آئندقرار دیا ہے۔ ہمیں ہرشعبے میں ڈاکٹر عابد محمود جیسے ایک سائنسدان اوروطن کے سچے خدمت گار کی ضرورت ہے جوملازمت کواوقات کی پابندی تک محدود نہ رکھے بلکہ وطن کی ترقی کے لئے دیکھے گئے خوابوں کی تعبیر بنے۔ پاکستان ایک خوبصورت ملک ہے جس میں وسائل کی کمی نہیں، صرف اس کی زمین اس کے پہاڑوں، اس کے دریاؤں اورسمندرکومحبت سے اپنانے کی ضرورت ہے۔

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

افغانستان اور ہماری خارجہ پالیسی

ایک پہیلی ہے جسے ہندستان کو سلجھانا ہے

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طالبان نے جس تیزی کے ساتھ افغانستان پر قبضہ کیا ہے، ہمارے حکمرانوں کو اس کی امید نہیں تھی۔ اب ہم بائیڈن انتظامیہ کو اس کا ذمہ دار اور قصوار ظاہر کررہے ہیں اور اس پر طعن وتشنیع کے تیر برسا رہے ہیں۔ ہندستان ہی نہیں دنیا بھر میں یہ سوال اُٹھ رہا ہے کہ آخر امریکی انتظامیہ کو افغانستان سے اپنی اور ناٹو کی افواج کے انخلاء کی ایسی کیا جلدی تھی اور آخر کیوں بیس سال تک افغانستان میں زبردست وسائل اور سرمایہ خرچ کرنے کے باوجود بغیر کچھ حاصل کیے وہ پہلے سے ہی تخریب زدہ افغانستان کو طالبان کے حوالہ کرکے، جنھیں وہ تخریب کار قرار دیتا رہا ہے، کابل سے روانہ ہوگیا جبکہ گزشتہ بارہ سال سے امریکہ میں افغانستان سے فوجی انخلاء کا راگ الاپا جارہا تھا مگر نہ اس انخلاء میں اوبامہ کامیاب ہوئے اور نہ ہی ٹرمپ اسے عملی جامہ پہنا سکے پھر اچانک ایسا کیا ہوا کہ جو بائیڈن جنھیں ابھی وہائٹ ہاؤس پہنچے ہوئے جمعہ جمعہ صرف آٹھ دن ہی ہوئے تھے انخلاء کے دیرینہ منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ ہوگئے۔ دراصل انھوں نے امریکی عوام کے نام اپنے پہلے ہی پیغام میں یہ اعلان کردیا تھا کہ ہم افغانستان سے تمام امریکی فوجوں کی بحفاظت واپسی کے لیے پابند عہد ہیں، ان کے اس اعلان کا امریکہ میں زبردست استقبال بھی کیا گیا تھا مگر چند ماہ کے اندر ہی امریکی فوجوں کا جس جلد بازی کے ساتھ انخلاء عمل میں آیا وہ جہاں چونکانے والا ثابت ہوا وہیں بائیڈن انتظامیہ کے لیے بہت سے سوال بھی کھڑے کرگیا اور حالانکہ جو بائیڈن نے اپنی کاروائی کے جواز میں یہ کہہ کر صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ افغانستان کی تین لاکھ فوجوں پر مشتمل آرمی جسے امریکی افواج نے گزشتہ بیس سالوں میں نہ صرف تربیت دی تھی بلکہ اسے مکمل سازوسامان اور جدید ترین ہتھیاروں سے بھی مسلح کیا تھا اور طالبان کے مقابلہ کے لیے تیار کیا تھا جب وہ ہی اپنے ملک کی حفاظت نہیں کرسکی تو امریکی حکومت ہی کیوں اپنے فوجیوں کی زندگی داؤ پر لگاتی مگر اسے بائیڈن کا عذر گناہ بدتر از گناہ ہی کہا جائے گا اس لیے کہ افغانستان میں محض نو دن کے اندر جس طرح طالبان نے ملک کے بیس صوبوں اور راجدھانی کابل پر اپنی فتح کا پرچم لہرایا اور کہیں بھی اسے مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا، یہ ضرور ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پس پشت کوئی خاموش راز ضرور ہے جس کی امریکہ افغان حکومت اور اس کی مسلح افواج کو ذمہ دار قرار دے کر پردہ پوشی کرنا چاہتا ہے۔

افغانستان پر اپنے بیس سالہ قبضہ کے دوران امریکہ نے افغان حکومت اور افغان فورسز کو مسلح کرنے پر کس طرح بے دریغ ڈالر خرچ کیے، اس حوالے سے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ گزشتہ بیس برسوں میں دس کھرب ڈالر خرچ کرکے ایک جدید افغان فوج تیار کی گئی۔ افغانستان سے اپنی واپسی سے پہلے جون میں امریکہ نے افغانی افواج کو چھ لائٹ اٹیک ہیلی کاپٹر، ۱۷۴ بکتر بند گاڑیاں، دس ہزار ۲ء۷۵ انچ کے راکٹس، ۶۱ ہزار ۴۰ ملی میٹر ہائی ایکسپلوزیو گولیاں، نو لاکھ پچاس ہزار کیلیبر گولیاں اور بیس لاکھ ۶۲ء۷ ملی میٹر کی گولیاں دیں۔ مختصر یہ کہ افغان ایئرفورس کے پاس ۴۵ بلیک ہاک ہیلی کاپٹر، ۵۶ مگ ۱۷، دیگر کئی سی-۱۳۰ ٹرانسپورٹ جہاز تھے، جن کے بارے میں امید جتائی جارہی ہے کہ سقوطِ کابل کے بعد وہ ہتھیار طالبان کے ہاتھ لگ گئے ہوں گے، اور جس کے لیے امریکی صدر جو بائیڈن نے اشرف غنی کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے جو کابل میں طالبان کے داخلہ سے پہلے ہی ملک چھوڑ کر فرار ہوگئے تھے۔ یہ فطری ہی نہیں بلکہ حقیقت بھی ہے کہ اشرف غنی کے ملک چھوڑنے کی وجہ سے ہی مضبوط پوزیشن میں ہونے کے باوجود افغان فوج نے ایک طرح سے ہتھیار ڈال دینے میں ہی عافیت سمجھی اس لیے کہ جب کسی قوم کا قائد اور رہنما راہِ فرار اختیار کرلیتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ افغانستان میں طالبان کے قابض ہونے کے بعد ہندستان کا ایک بھاری اندرونی کشمکش میں مبتلا ہونا بھی ایک فطری بات ہے۔ پچھلے بیس سالوں میں حکومت ہند نے وہاں تین ارب ڈالر کے سرمایہ سے سڑک، پل، عمارتیں یہاں تک کہ پارلیمنٹ ہاؤس تعمیر کرایا۔ ہندستان کے لوگوں کے ذہن میں سوال یہ ہے کہ کیا طالبان ہندستانی سرمایہ کاری سے تیار شدہ بنیادی ڈھانچہ کو برباد کردیں گے۔ کیا افغانستان کی حکومت اور وہاں کے عوام ہندستان کے اس اشتراک کو بھول جائیں گے، جس کی وجہ سے وہاں آج باندھ، نیشنل ہائی وے، کاروبار پر مبنی تعمیرات کھڑی نظر آرہی ہیں؟ اگر یہ خدشہ وجود میں آتا ہے تو ایسی صورت میں ہندستان کی تلخی اور تشویش بالکل بجا اور درست ہے۔

اس دوران سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ افغانستان میں پھنسے ہوئے ہندستانیوں کی تیزی کے ساتھ بحفاظت ملک واپسی کو یقینی بنایا جائے جس کے لیے ہماری حکومت پوری طرح مستعد نظر آرہی ہے اور جس وقت آپ یہ سطریں پڑھ رہے ہیں تقریباً تمام ہندستانی شہری بحفاظت وطن واپس آچکے ہیں جس کے لیے مودی حکومت لائق تحسین ہے۔ ان دنوں افغانستان کے بدلتے حالات کا کافی تذکرہ ہے۔ لوگوں کے نشانے پر صرف امریکی انتظامیہ ہی نہیں بلکہ ہندستانی سرکار بھی ہے۔ سالوں پرانی امریکہ مخالف چیخ پھر سے سنائی دینے لگی ہے۔ ایک فورم میں سننے کو ملا کہ امریکن نہ تو پہلے بھروسہ کے لائق تھے نہ مستقبل میں ہوں گے۔ وہیں ایک ہندستانی سیاستداں نے تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ امریکی ہمیشہ اپنا مفاد حاصل کرکے نکل جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ پھیلائی گئی گندگی کسی اور کو صاف کرنی پڑتی ہے۔ کچھ لوگ ہندستانی خفیہ محکمہ کو کھلے عام نکمّا بتارہے ہیں کیونکہ پاکستان کی اس سازش کو ہم پکڑ نہیں پائے۔

ہمارے حکمرانوں کو پاکستان اور افغانستان سے وابستہ تاریخ کا پورا علم ہے، سوویت افواج کو بھی مجبور بنانے کا سہرہ بھی پاکستان کو گیا تھا جہاں امریکی سی آئی اے نے پاکستان کی آئی ایس آئی کی مدد سے مجاہدین کی فوج تیار کرکے اسے آہستہ آہستہ افغانستان میں سوویت فوجیوں سے لڑنے کے لیے اتارا تھا۔ موجودہ حالات بھی تاریخ کو دہرانے جیسے ہی ہیں۔ آج طالبان رہنماؤں اور پاکستانی وزیر اعظم عمران خان کے درمیان دوستانہ رشتہ صاف نظر آرہا ہے۔ افغانستان میں پاکستان نے اپنے تجربوں اور اپنے اداروں کا پورا استعمال کیا ہے لیکن کیا پاکستان کی یہ ڈپلومیسی اس کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ بظاہر تو یہ ہی لگتا ہے کہ اس سے پاکستان میں طالبان کے اثرات میں اضافہ ہوگا جو پاکستان کو تقسیم کی طرف لے جاسکتا ہے اس لیے کہ حقیقی رشتے نظریات سے بنتے ہیں، چالاک ڈپلومیسی سے نہیں۔

یہ سچ ہے کہ فی الحال افغانستان ایک ایسی پہیلی بن گیا ہے جسے حکومت ہند کو اپنی ماہر ڈپلومیسی اور بصیرت سے سلجھانا پڑے گا۔ ہمارے ذہن میں طالبان کے خلاف جو نفرت کا جذبہ سالوں سے اُبھرتا رہا ہے وہ ایک مضبوط قدم اُٹھانے میں ہمارے لیے سدراہ بن سکتا ہے لیکن سمجھدار ملک اپنے عوام کے مفاد میں غیر متوقع اور نیا قدم اُٹھانے سے نہیں گھبرایا کرتے اس لیے ہمیں حسب ضرورت اپنی پالیسی پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

چین طالبان سے اپنے رشتے ہموار کرنے کے لیے کوئی موقع نہیں چھوڑ رہا ہے، اس میں طالبان کا اپنا مفاد ہے، یہاں تک کہ وہ چین کے اپنے معاون ایغور مسلمانوں کو بھی بھول گیا ہے۔ ظاہر ہے یہاں ضرورت سب سے اوپر ہے اس لیے ہندستان کو بھی اپنے قومی مفاد کو دیکھتے ہوئے اس سلسلہ میں کوئی مناسب سفارتی قدم اُٹھانے کی واقعی ضرورت ہے۔ ہماری خارجہ پالیسی ہمیشہ ہی لچکدار رہی ہے، اس میں اعتدال اور میانہ روی کا پہلو ہمیشہ ہی غالب رہتا ہے جو اس کی ایک بڑی خوبی ہے۔ افغانستان کے تعلق سے بھی ہماری پالیسی کافی معتدل اور وقت کے عین مطابق ہے جسے مزید معتدل اور لچکدار بنانا بہرحال وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ابھی حال ہی میں ہندستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر جنرل مسٹر ونود سہگل کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے حکومت ہند کو یہ مشورہ دیتے ہوئے کہ ہمیں طالبان کے زیر اقتدار افغانستان پر فیصلہ لینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، لکھا ہے کہ موجودہ طالبان وہ نہیں ہیں جو ۱۹۹۶ء میں تھے، اور جو پاکستانی مدارس کی پیداوار اور پاکستان کے پروپیگنڈے سے متاثر تھے، آج کا طالبان حالاتِ زمانہ سے واقف ہے، اسے معلوم ہے کہ دنیا میں کن قدروں کی ضرورت ہے، اس کے اعلانات بھی یہ ہی بتارہے ہیں کہ انھوں نے ماضی سے کافی سبق سیکھ لیا ہے اس لیے بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ لینے کی ضرورت ہے۔ انھوں نے مزید لکھا ہے کہ ہندستان ایسا ملک نہیں ہے جسے اس کے پڑوسی نظرانداز کرسکیں اس لیے بھی ہندستان کو ایک آزاد پالیسی کا پالن کرنا چاہیے۔

بہرحال ہمارے حکمراں کیا پالیسی اختیار کرتے ہیں یہ تو ابھی صاف نہیں ہے مگر اتنی بات صاف ہے کہ ان کی جو بھی پالیسی ہوگی اس میں ملک کے مفاد کا ہی خیال رکھا جائے گا اور اسلاموفوبیا کی جو لہریں آج میڈیا کے ایوانوں میں اٹھ رہی ہیں ہماری پالیسی اس سے متاثر ہوئے بغیر انصاف، مساوات اور غیر جانبداری پر مبنی ہوگی۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ ہمارے حکمرانوں کی طرف سے طالبان کے ساتھ سلسلہ جنبانی شروع ہوگیا ہے۔ گفتگو کا ابتدائی دور ہو چکا ہے جس میں ابھی "دیکھو اور انتظار کرو" کی پالیسی کو اوّلیت دی گئی ہے۔ امید ہے یہ سلسلہ مزید آگے بڑھے گا اور انشاء اللہ نتیجہ خیز ثابت ہوگا جس طرح ہمیں افغانستان کی ضرورت ہے، افغانستان کو بھی ہماری ضرورت ہے۔□□

جواہر القرآن

سورۂ لقمان-۳۱	ترجمہ آیات: ۳۴	حضرت شیخ الہندؒ

آیت نمبر ۳۴ کی تفسیر کا بقیہ

رہا شیطان کا یہ دھوکا کہ فی الحال تو دنیا کے مزے اُڑا لو، پھر توبہ کرکے نیک بن جانا، اس کا جواب ہے **وماتدری نفس ماذا تکسب غدا...** الخ میں دیا ہے۔ یعنی کسی کو خبر نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا؟ اور کچھ کرنے کے لیے زندہ بھی رہے گا؟ کب موت آجائے گی اور کہاں آئے گی؟ پھر یہ وثوق کیسے ہو کہ آج کی بدی کا تدارک کل نیکی سے ضرور کرلے گا اور توبہ کی توفیق ضرور پائے گا؟ ان چیزوں کی خبر تو اسی علیم وخبیر کو ہے۔ (تنبیہ) یاد رکھنا چاہیے کہ مغیبات جنس احکام سے ہوں گی یا جنس اکوان سے، پھر اکوان غیبیہ زمانی ہیں یا مکانی اور زمانی کی باعتبار ماضی، مستقبل، حال کے تین قسمیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے احکام غیبیہ کا کلی علم پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا۔ **فلا یظہر علی غیبہ احداً الا من ارتضی من رسول.** الی اخر الآیۃ (جن، رکوع ۲) جس کی جزئیات کی تفصیل وتبویب اذکیائے امت نے کی اور اکوان غیبیہ کی کلیات واصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسب استعداد اطلاع دی اور نبی کریمؐ کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا تاہم اکوانِ غیبیہ کا علم کلی رب العزت ہی کے ساتھ مختص رہا۔

انوارِ احادیث

• حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارکباد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر مجھ پر ایمان لایا اس کو سات بار مبارکباد۔ (مسند احمد)

پارلیمنٹ میں بحث کا گرتا ہوا معیار- ذمہ دار کون؟

کیا سیاسی پارٹیاں اس پر توجہ دیں گی؟

صفحہ اوّل کا بقیہ

ہمارے دستور میں حکمراں جماعت اور اپوزیشن کے درمیان جمی ہوئی برف پگھلانے کے بہت سے طریقے ہونے کے باوجود دونوں فریقوں کا اپنی اپنی ضد پر اڑے رہنا ظاہر کرتا ہے کہ ہم اس مقام پر پہنچ گئے ہیں جہاں عوامی مفاد اور قومی مفاد کی جگہ پارٹی مفاد غالب آجاتا ہے، خاص طور پر زرعی قوانین کو راجیہ سبھا میں جس طرح اس کے ڈپٹی چیئرمین ہری ونش نارائن سنگھ کی صدارت میں گزشتہ سال پاس کیا گیا تھا اس سے خود ہی پارلیمانی ضابطوں کا تقدس پوری طرح شک کے گھیرے میں آگیا تھا اور اپوزیشن ممبرانِ پارلیمنٹ نے جس کے بارے میں دستور کے محافظ صدرِ جمہوریہ تک کے دروازے پر دستک دی تھی، یہ ہمارے دستوری نظام کے لیے ایک چیلنج تھا۔ مانسون سیشن تو ایک دوسرا ہی چیلنج دے کر چلا گیا کہ پارلیمنٹ کے نہ چلنے کے باوجود حکومت اپنا قانون سازی کا عمل شور شرابے اور ہنگامے کے درمیان ہی کراتی رہی۔ یہ افسوسناک اس لیے بھی ہے، کیونکہ اس سے آنے والی نسلیں ایوان کو غیر ضروری سمجھے جانے کا غلط سبق لے سکتی ہیں۔

ہمارے حکمراں اگر پارلیمانی جمہوریت میں یہ روایت قائم کرتے ہیں کہ وہ ملک کے آدھے سے زیادہ عوام کی آواز کو نظرانداز کرنے کا کام کررہے ہیں تو اپوزیشن کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بات ان عوام کی طرف سے جنھوں نے اس کو منتخب کیا ہے، پارلیمنٹ میں رکھنے کے ایسے طریقے نکالے جن سے اس کا اختلاف بھی درج ہوتا رہے اور پارلیمنٹ بھی چلتی رہے۔ اس کام میں دونوں ایوانوں کے صدور کا کافی اہم رول ہوسکتا ہے کیونکہ وہ ایوان میں بیٹھنے والے ہر ممبر کے نمائندے ہوتے ہیں۔ راجیہ سبھا میں مسٹر پرتاپ سنگھ باجوا نے جو کچھ بھی کیا وہ اسے جائز ٹھہرا رہے ہیں جبکہ ایوان کے چیئرمین وینکیا نائیڈو ان کے برتاؤ سے کافی ناراض ہیں۔ اس سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ پارلیمنٹ اپنے بنائے ہوئے ضابطے پر لفظ بہ لفظ عمل کرتے ہوئے چلے اس لیے کہ جمہوریت صرف اکثریت کی حکمرانی کے لیے نہیں ہوتی بلکہ پارلیمانی نظام کے تحت یہ مقنّنہ کے متفقہ آئینی حقوق کے استعمال کا مسئلہ بھی ہے۔

آج ہم ایسے موڑ پر کھڑے ہیں جہاں خود مقنّنہ کو ہی ایوان میں اپنے حقوق کے لیے لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے اور جس نے دستور کے ذریعہ قائم پارلیمانی نظام پر ہی سوال کھڑا کردیا ہے۔ جمہوریت میں پورا نظامِ حکومت پارلیمنٹ سے ہی طاقت حاصل کرکے چلتا ہے اس لیے کہ لوک سبھا کو ہی ہمارے دستور نے سرکار بنانے اور گرانے کا حق دیا ہے۔ ہم نے ماضی میں بھی دیکھا ہے کہ کسی ایک موضوع پر پارلیمنٹ کے اندر ہنگامہ کتنا بڑھ جاتا ہے۔ خواتین ریزرویشن کے موضوع پر منموہن حکومت کے دوران راجیہ سبھا میں اس سے بھی بڑھ کر نظارا سامنے آیا تھا جیسا مسٹر باجوا نے پیش کیا ہے۔ جمہوریت میں اختلاف ظاہر کرنے کا یہ ایک طریقہ ہوسکتا ہے مگر پارلیمنٹ کی عظمت اور پاکیزگی کو نقصان پہنچانا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ متعلقہ ایوان ہی ہوتا ہے جو اپنے ممبران کو خاص اختیارات سے لیس کرتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ پارلیمنٹ کے اندر اپوزیشن ممبران کو آئین کے تحت اپنی بات رکھنے کے لیے جو اختیار دیئے گئے ہیں ان کا استعمال کرنے کی اجازت بھی انھیں پوری غیر جانبداری سے ملے، جس میں التوا یا کام روکو تجاویز بھی ہوتی ہیں۔

ہمارے خیال میں پارلیمنٹ میں اس وقت بحث، قانون سازی اور ایوان کی کارروائی کا جو معیار ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ملک کا ہر شہری فکرمند ہے کہ آخر کیا ہو رہا ہے۔ کل جماعتی میٹنگوں کے باوجود کسی بھی اجلاس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی کارروائی ٹھیک سے نہیں چل پارہی ہے۔ نہ تو کسی ایشو پر ٹھیک سے بحث ہوتی ہے اور نہ ایجنڈوں کے مطابق بل پیش کیے جاتے ہیں اور جب ہنگامے کی وجہ سے وقت نہیں ملتا تو آخری وقت میں صرف بلوں کی منظوری کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اب تو مقررہ وقت تک پارلیمنٹ کا اجلاس بھی نہیں چل پارہا ہے۔ وقت سے پہلے ہی اجلاس غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کردیا جاتا ہے۔ اس بار بھی مانسون اجلاس میں کچھ ایسا ہی دیکھا گیا۔ پورے اجلاس کے

پارلیمنٹ کی عظمت اور پاکیزگی کو نقصان پہنچانا کسی بھی صورت میں صحیح نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ متعلقہ ایوان ہی ہوتا ہے جو اپنے ممبران کو خاص اختیارات سے لیس کرتا ہے، اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ پارلیمنٹ کے اندر اپوزیشن ممبران کو آئین کے تحت اپنی بات رکھنے کے لیے جو اختیار دیئے گئے ہیں ان کا استعمال کرنے کی اجازت بھی انھیں پوری غیر جانبداری سے ملے، جس میں التوا یا کام روکو تجاویز بھی ہوتی ہیں۔

دوران کارروائی کے نام پر صرف ہنگامہ ہوتا رہا جس کی وجہ سے کبھی ایوان کی کارروائی کچھ گھنٹوں کے لیے ملتوی کی جاتی رہی تو کبھی دن بھر کے لیے۔ پی آر لجسلیٹو ریسرچ کے مطابق مانسون اجلاس کے دوران لوک سبھا میں ۹۶، اور راجیہ سبھا میں ۳۰ء۹۷، کل ۳۰ء۱۹۳ گھنٹے کام ہونا تھا لیکن دونوں ایوانوں میں کام صرف ۱۴ء۴۹ گھنٹے ہوا۔ باقی اوقات ہنگامے یا التوا کی نذر ہوگئے۔ اس دوران بل تو پاس ہوئے لیکن ان پر بحث نہیں ہوسکی جس کی وجہ سے قانون کی خوبیاں اور خامیاں سامنے نہیں آسکیں۔

اس صورتحال کے لیے حکومت اپوزیشن کو اور اپوزیشن حکومت کو موردِ الزام ٹھہرا کر اپنا دامن تو جھاڑ لیتی ہیں لیکن اس سے ملک کو جو نقصان پہنچ رہا ہے اس کی تلافی کیسے ہوگی؟ اسی لیے ملک کا ہر سنجیدہ شہری پریشان اور فکرمند ہے۔ اب تو خود چیف جسٹس آف انڈیا (سی جے آئی) این وی رمن نے بھی حالیہ برسوں میں قانون سازی کے عمل کے دوران پارلیمنٹ میں بحث کی سطح پر سوال اُٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ آج بنائے گئے قوانین میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ عوام کو بھی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جسٹس رمن نے سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام ۷۵ویں یومِ آزادی کے پروگرام میں اپنے درد کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نہ تو قانون بنانے کے دوران پارلیمنٹ میں مکمل بحث ہوتی ہے اور نہ ہی بحث کی سطح پرانے قانون سازوں کی طرح ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس سے قبل پارلیمنٹ میں قوانین کی منظوری کے دوران وسیع اور تفصیلی بحث کی ایک صحت مند روایت تھی، جس کی وجہ سے عدالتوں کے لیے ان قوانین کے مقصد کو سمجھنا، تشریح کرنا اور جاننا آسان ہوتا تھا لیکن آج اس میں گراوٹ آگئی ہے۔

کمیونسٹ پارٹی آف مارکسسٹ کے ایم راما مورتی کے صنعتی تنازعات بل اور حقائق کی سطح پر بحث کا حوالہ دیتے ہوئے چیف جسٹس نے کہا کہ اس طرح کی بحث کے بعد منظور شدہ قوانین کے نفاذ کے بعد عدالتوں پر اس کی تشریح کا بوجھ کم ہوتا ہے۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ آج کل بنائے گئے قوانین مبہم ہیں جو نہ صرف حکومت کے لیے تکلیف کا باعث بنتے ہیں بلکہ عام لوگوں کی بھی پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ چیف جسٹس نے پارلیمنٹ میں قانون منظور کرانے کے حالیہ طریق کار پر سوال اُٹھاتے ہوئے کہا کہ یہ بیحد افسوسناک صورتِ حال ہے۔ اب ہمیں قوانین میں ابہام نظر آتا ہے۔ آج کے قوانین میں اس کا فقدان ہے۔ قوانین میں کوئی وضاحت نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ قانون کس مقصد کے لیے بنایا گیا ہے، اس سے مقدموں کی تعداد بھی بڑھتی ہے اور ساتھ ساتھ عوام کو بھی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے کہ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں دانشوروں اور وکلاء ممبران کی کمی ہے۔ چیف جسٹس کے اس ریمارک کو پارلیمنٹ میں تعطل کے درمیان بحث کے بغیر بلوں کی منظوری کے تناظر میں دیکھا جارہا ہے۔ وکلاء کو عوامی زندگی میں آنے کی تلقین کرتے ہوئے جسٹس رمن نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ قانونی پیشے سے تعلق رکھنے والی برادری کے افراد سماجی اور عوامی زندگی میں سامنے آئیں۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ زیادہ تر مجاہدین آزادی وکالت کے پیشے سے وابستہ لوگ تھے جیسے مہاتما گاندھی، پنڈت نہرو، سردار پٹیل، راجندر پرساد جنھوں نے نہ صرف آزادی کے لیے اپنا پیشہ ترک کیا بلکہ اپنی جائیداد اور خاندان کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ ان مثالوں کے ساتھ چیف جسٹس نے وکلاء پر زور دیا کہ وہ سماجی اور عوامی زندگی میں شامل ہوں اور اپنے پیشے میں قیدرہنے، پیسہ کمانے اور آرام کی زندگی گزارنے کے بجائے ملک کی خدمت کریں۔

دراصل حالیہ برسوں میں ایک تو پارلیمنٹ کی کارروائی ٹھیک سے نہیں چل پارہی ہے، دوسرے یہ کہ قانون سازی کی جو قدیم روایت چلی آرہی تھی اس پر بہت کم عمل ہورہا ہے۔ اب تو آرڈیننس کے ذریعہ بیک ڈور سے قانون سازی کا رجحان چل پڑا ہے۔ بہت کم بلوں کو غور وخوض کے لیے پارلیمانی کمیٹی کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ بلوں پر بحث ہوتی ہے تو اس کا معیار بھی ماضی جیسا نہیں ہوتا۔ نہ تو صلاح مشورے اور اعتماد میں لے کر قانون سازی کی جاتی ہے اور نہ بحث کے دوران پیش کردہ تجاویز پر غور کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بل قانون بننے کے بعد بھی متنازع بنے رہتے ہیں اور ان پر عدالتوں میں مقدمات چلنے لگتے ہیں۔ قانون سازی سے عدالتوں کا جو بوجھ کم ہونا چاہیے تھا وہ اور بڑھ جاتا ہے۔ اسی طرح قانون سازی سے لوگوں کی پریشانی کم ہونے کے بجائے زیادہ ہوجاتی ہے۔ چیف جسٹس آف انڈیا بھی یہی پیغام دینا چاہتے ہیں جس پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔ پارلیمنٹ میں قانون سازی اور بحث کا معیار بلند ہونا چاہیے تاکہ مسائل پیدا نہ ہوں۔ سب کو ساتھ میں اور اعتماد میں لے کر کام کرنا چاہیے جس کا بہرحال آج فقدان دیکھنے میں آرہا ہے۔ ❑❑

ہمارے حکمراں اگر پارلیمانی جمہوریت میں یہ روایت قائم کرتے ہیں کہ وہ ملک کے آدھے سے زیادہ عوام کی آواز کو نظرانداز کرنے کا کام کررہے ہیں تو اپوزیشن کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بات ان عوام کی طرف سے جنھوں نے اس کو منتخب کیا ہے، پارلیمنٹ میں رکھنے کے ایسے طریقے نکالے جن سے اس کا اختلاف بھی درج ہوتا رہے اور پارلیمنٹ بھی چلتی رہے۔ اس کام میں دونوں ایوانوں کے صدور کا کافی اہم رول ہوسکتا ہے کیونکہ وہ ایوان میں بیٹھنے والے ہر ممبر کے نمائندے ہوتے ہیں۔ راجیہ سبھا میں مسٹر پرتاپ سنگھ باجوا نے جو کچھ بھی کیا وہ اسے جائز ٹھہرا رہے ہیں

ایک تو پارلیمنٹ کی کارروائی ٹھیک سے نہیں چل پارہی ہے، دوسرے یہ کہ قانون سازی کی جو قدیم روایت چلی آرہی تھی اس پر بہت کم عمل ہورہا ہے۔ اب تو آرڈیننس کے ذریعہ بیک ڈور سے قانون سازی کا رجحان چل پڑا ہے۔ بہت کم بلوں کو غور و خوض کے لیے پارلیمانی کمیٹی کے پاس بھیجا جاتا ہے۔ بلوں پر بحث ہوتی ہے تو اس کا معیار بھی ماضی جیسا نہیں ہوتا۔ نہ تو صلاح مشورے اور اعتماد میں لے کر قانون سازی کی جاتی ہے اور نہ بحث کے دوران پیش کردہ تجاویز پر غور کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بل قانون بننے کے بعد بھی متنازع بنے رہتے ہیں اور ان پر عدالتوں میں مقدمات چلنے لگتے ہیں۔

میزان

عبدالرحمان الخبیر قاسمی

ارتداد کی لہر: ایک لمحۂ فکریہ

یہ دور فتنوں کا دور ہے، طرح طرح کے فتنوں کا وجود ہورہا ہے، جیسے جیسے ذرائع ابلاغ بڑھتے جارہے ہیں اتنے ہی فتنے بڑھتے جارہے ہیں، ان فتنوں میں ایک فتنہ ارتداد، الحاد سر اٹھارہا ہے، اس فتنے کے زہریلی اثرات مسلم معاشرہ میں تیزی سے پھیل رہے ہیں، رات دن مسلم خواتین کو مرتد بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، ارتداد امت کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے، اپنوں کا دین و اسلام سے پھر جانا اور مرتد ہوجانا بڑے دکھ کی بات ہے، اس وقت سارے عالم میں دینِ اسلام کو مٹانے اور اسلام سے بدظن کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اسلام دشمن طاقتیں متحد ہوکر پوری طرح زور آزمارہے ہیں کہ اسلام کو کس طرح صفحہ ہستی سے مٹایا جائے یا کم ازکم مسلمانوں کو مسلمانیت باقی نہ رکھی جائے، اور ایک سازش کے تحت دشمنانِ اسلام مسلم لڑکیوں کو ٹارگٹ بنائے ہوئے ہیں، اور نوجوانوں کا ایک بڑا طبقہ اسلام سے دوری اختیار کررہا ہے، اس وقت حالات بڑے نازک ہیں، ایک طرف قوانینِ شرعیہ پر حملے کئے جارہے ہیں تو دوسری طرف فرقہ پرست طاقتیں مسلم بچیوں کو ارتداد کے دھانے تک پہنچارہے ہیں، تیسرے میڈیا کے ذریعہ نئی نسل کا ذہن خراب کررہے ہیں، اور چوتھی ہر طرف اسکولوں اور کالجوں میں بے حیائی کا ماحول بنایا جارہا ہے، نئی نسل عیش وعشرت کے راستہ پر چل رہی ہے، عورتیں بے ہودہ ہوچکی ہیں، اللہ کے احکامات سے بغاوت کررہی ہیں، زنا آسان ہوگیا ہے، کل تک اغیار اپنی اکثریتی علاقوں میں ظلم وستم کا کھیل کھیلتے تھے، اب وہ اتنے بیلگام ہوگئے ہیں کہ ہماری آبادیوں میں گھس کر ہماری بہن بیٹیوں کی عزت کو پامال کررہے ہیں۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ملک کے مختلف علاقوں سے یہ خبریں آرہی ہیں کہ مسلمان لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں سے شادی کررہی ہیں، اور اپنا دین وایمان، ضمیر وحیا، بیچ کر اپنے خاندان اور اپنے سماج اور معاشرہ پر بدنامی کا داغ لگارہی ہیں، اس طرح کے واقعات پہلے کبھی کبھار اخباروں اور سوشل میڈیا کے ذریعے ملتے تھے، لیکن چند دنوں سے باضابطہ پلاننگ کے ساتھ مسلمان لڑکیوں کو جال میں پھنسایا جارہا ہے، اور آئے دن یہ تعداد بہت تیزی کیساتھ بڑھ رہی ہے، ابھی چند دن قبل ہمارے ایک عزیز دوست نے صرف عروس البلاد ممبئی اور تھانہ کی بیس ناموں کی ایک فہرست ارسال فرماتے ہوئے کہا کہ صرف ایک مہینے کی فہرست ہے جو اگلے مہینے غیروں سے شادی کے لئے تیار ہیں، اردو، انگریزی اخبارات میں بکثرت ایسے واقعات شائع ہورہے ہیں جس

مغربی تہذیب کے پروردہ گان کیلئے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اسلام کے خلاف جدید تہذیب وثقافت نے ان کے دل ودماغ پر قبضہ جمالیا ہے، بلوغ کے فوری بعد نکاح کا انتظام جہاں عفت وعصمت کا ضامن ہے وہیں اس سے معاشرہ کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے۔

میں مسلم لڑکیاں غیر مسلم لڑکوں کے عشق ومحبت میں گرفتار ہوکر نہ صرف اپنے دین وایمان کا سودا کررہی ہیں بلکہ اپنی عفت وعصمت کے قیمتی جوہر کو لٹارہی ہیں، آج سے پچیس تیس سال قبل کا مسلم سماج ایسے بے حیائی کے واقعات سے پاک تھا، لیکن مسلم سماج کی دین سے دوری نے الحاد وبے دینی کو فروغ دینے میں بڑا رول ادا کیا ہے، الیکٹرانک میڈیا وپرنٹ میڈیا سے اکثر یہ بات دہرائی جارہی ہے کہ انتہا پسند کٹر ہندوتوا کے حامی لیڈرس غیر مسلم لڑکوں کو باضابطہ تربیت دے رہے ہیں کہ وہ مسلم لڑکیوں کو اپنے دام فریب میں پھنسائیں، اور ایسے غیر مسلم لڑکوں کو انعام واکرام سے نوازا جارہا ہے، مسلم لڑکیاں جو مخلوط نظام تعلیم یا مخلوط نظام ملازمت پرمبنی اداروں سے وابستہ ہیں وہ بہت جلد ان کے جھانسے میں آجاتی ہیں، ایسے ناخوشگوار کچھ واقعات مسلم وغیر مسلم ملی جلی بستیوں میں رہائش کی بنا پر ہورہے ہیں، کچھ واقعات اپنے گھر سے تعلیمی یا ملازمتی اداروں تک سفر کے دوران اور کچھ واقعات مذکورہ مخلوط اداروں میں تعلیم یا ملازمت کی وجہ سے پیش آرہے ہیں، بعض مذہبی وسماجی رہنماؤں کا ماننا ہے کہ مسلم سماج میں جہیز، جوڑے، لین دین کا غیر اسلامی چلن بھی اس کی وجہ ہے، کسی نہ کسی درجہ میں یہ بات قابل تسلیم ہے، تاہم اس کو کلی وجہ قرار نہیں دیا جاسکتا، چونکہ جہیز، جوڑے، لین دین اور غیر اسلامی رسوم ورواجات بھی مسلم معاشرہ کی بے دینی کا تسلسل ہیں، اس میں اور بھی بہت سے عوامل ہیں جن سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، صرف اسی کو مسلم لڑکیوں کے ارتداد کی وجہ قرار دینا حقائق سے چشم پوشی ہے، ان میں بنیادی وجہ اسلامی احکام سے انحراف ہے اور بروقت وبرمحل نکاح نہ ہونا بھی ایک وجہ ہے، نتیجہ یہ ہے کہ بعض نوجوان لڑکے لڑکیوں کے گناہوں میں مبتلاء ہونے کے خطرات بڑھ گئے ہیں یا رشتۂ نکاح کے قیام میں جائز وناجائز کی پرواہ کئے بغیر باطل مذاہب کے پیروکاروں سے رشتے استوار ہورہے ہیں۔ مغربی تہذیب کے پروردہ گان کیلئے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، اسلام کے خلاف جدید تہذیب وثقافت نے ان کے دل ودماغ پر قبضہ جمالیا ہے، اس کو ذہنی وسعت فکر کا نام دے دیا گیا ہے، وہ مسلم گھرانے میں ضرور پیدا ہوگئے ہیں لیکن اسلام سے ان کا صرف برائے نام تعلق رہ گیا ہے، بلوغ کے فوری بعد نکاح کا انتظام جہاں عفت وعصمت کا ضامن ہے وہیں اس سے معاشرہ کی پاکیزگی برقرار رہتی ہے۔ زمانہ جس برق رفتاری کے ساتھ ترقی کی راہ پرگامزن ہے اور خیر القرون سے دوری بڑھتی جارہی ہے اسی تیزی کے ساتھ اسلامی ماحول، دیندارانہ اوصاف، مذہبی شناخت اور ملی تشخص رخصت ہوتے جارہے ہیں، خاندان کے ذمہ داران کی دین سے دوری، مغربی تہذیب وکلچر سے

(باقی صـ۱۴ پر)

گوشہ روزگار

سرکاری ملازمت ہے نوجوانوں کی پہلی پسند ۲

بیکنگ سیکٹر

بینکنگ سیکٹر میں ان دنوں ملازمتوں کی بہار آئی ہوئی ہے۔ اگر آپ نے سرکاری سیکٹر میں جانے کا ارادہ کررکھا ہے تو اس کے لیے بہت مناسب وقت ہے۔ بینکنگ سیکٹر ۲۰۲۱ء میں نوجوانوں کے لیے ملازمت کے ڈھیروں مواقع لے کر آرہا ہے۔ ملک میں قومیائے گئے بینکوں میں آنے والے دنوں میں تقریباً ۸۰ ہزار اسامیاں پروبیشنری آفیسرس اور کلرکوں کے لیے نکلنے والی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے نوجوان ایم بی اے اور انجینئرنگ کے بعد اب نوکری کی تیاری کرنے لگے ہیں۔ ادھر کچھ برسوں سے تمام نیشنلائزڈ بینک اپنی تجارت چھوٹے چھوٹے گاؤں تک پہنچارہے ہیں۔ جس کی وجہ سے الگ الگ سطح پر بینک ملازمین کام کرتے ہیں۔ بینک میں تمام عہدوں کے لیے الگ الگ صلاحیتوں کی ضرورت ہوتی ہے لیکن بالعموم کلرک گریڈ کے لیے کم ازکم بارہویں اور پروبیشنری آفیسرس کے لیے گریجویشن یا متعلقہ ڈگری یا ڈپلوما کی مانگ کی جاتی ہے۔ کچھ عہدوں کے لیے تجربہ بھی ضروری ہوتا ہے۔ کمپیوٹر اور مارکیٹنگ کا اچھا علم اس فیلڈ میں آپ کا پلس پوائنٹ ثابت ہوسکتا ہے۔

لیگل سیکٹر

قانون کے کورس کا نام سنتے ہی کالے کوٹ پہنے وکیلوں کی تصویر آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ آج سے چند برس پہلے تک لا کرنے والے بیشتر اسٹوڈنٹس کے سامنے عدالتوں میں مقدمات کی پیروی کرنا ہی واحد متبادل ہوتا تھا لیکن آج اس شعبے میں کئی نئے مواقع پیدا ہوچکے ہیں۔ اس سیکٹر میں داخلے کا سب سے معروف نام ایل ایل بی امتحان ہوتا ہے۔ جس میں حصہ لینے کے لیے کم ازکم صلاحیت گریجویٹ ہوتی ہے۔ یہاں لا ڈگری رکھنے والے پی سی ایس جے جیسے امتحان پاس کرکے لا ایڈمنسٹریشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔ یہاں سے شروع کرکے ان کے پاس ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ تک اعلیٰ عدالتی عہدوں تک پہنچنے کا متبادل موجود ہوتا ہے۔ اس فیلڈ میں تجربہ کار ایڈوکیٹ سرکاری محکموں اور پرائیویٹ نیز سرکاری کمپنیوں میں لیگل کنسلٹنٹ کے طور پر کام کررہے ہیں۔ ایجوکیشن اور ریسرچ سے وابستہ رہنے کے خواہش مند طلبہ ایل ایل ایم اور پی ایچ ڈی کرنے کے بعد ٹیچنگ پروفیشن میں بھی جاسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہ لوگ بڑی بڑی ملکی، غیرملکی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں میں لیگل ایکسپرٹ کے طور پر اپنی خدمات دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سرکاری سیکٹر میں بھی بینک ہوں یا دوسرے سرکاری ادارے سبھی جگہ ایسے لوگوں کو قانونی مشیر کے طور پر جگہ دی جارہی ہے۔

ریلوے سیکٹر

ریلوے ملک میں سرکاری ملازمت فراہم کرنے والا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ اس کی وسعت کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک پھیلے اس کے عظیم نیٹ ورک سے ہوکر ہر سال کروڑوں افراد سفر کرتے ہیں تو دوسری طرف اربوں کا ریونیو مال ڈھلائی کے طور پر اسے ملتا ہے۔ ظاہر ہے اتنے بڑے ادارے کی دیکھ ریکھ کے لیے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں اہلِ ٹیکنیشین، انجینئروں، ماہرین وغیرہ کی ضرورت ہوگی جسے پورا کرنے کے لیے ریلوے ٹیکنیکل ونان ٹیکنیکل اسٹریم میں بھرتی کے لیے وقتاً فوقتاً امتحانات کا انعقاد کرتا رہتا ہے۔ ریلوے ریکروٹمنٹ بورڈ کے تحت منعقد ہونے والے ان امتحانات کے تئیں نوجوانوں میں خاصا کریز رہتا ہے۔ اس کے الگ الگ سطح کے امتحانات میں حصہ لینے کے لیے ریلوے کم ازکم بارہویں، گریجویشن، انجینئرنگ کورس وغیرہ کی مانگ کرتا ہے۔ دراصل یہ سیکٹر اتنا بڑا ہے کہ یہاں ہر سطح پر کام کرنے کے لیے الگ الگ اسٹریم کے ملازمین وافسران کی ضرورت پڑتی ہے۔ جن میں انجینئرنگ گریجویٹ سے لے کر فوڈ آفیسرس، سیکورٹی مینجمنٹ، کمپیوٹر کے شعبے میں باصلاحیت نوجوانوں کی مانگ کافی ہے۔ انجینئرنگ میں بھی میکانیکل، الیکٹرانکس، کمپیوٹر کے امیدواروں کی مانگ دوسروں کے مقابلے زیادہ ہے۔ □□

دریچے

م۔س۔ج۔

چاکلیٹ کھائیں ورزش آسان بنائیں

چاکلیٹ کے کئی طبّی فوائد میں سے اب ایک اور فائدہ سامنے آیا ہے جس سے بطورخاص درمیانی عمر چالیس سے پچاس سال کے افراد مستفید ہوسکتے ہیں۔ اگر ایسی خواتین وحضرات ورزش یا جاگنگ سے قبل گہری (ڈارک) چاکلیٹ کھالیں تو اس سے خون کا بہاؤ فوری طور پر تیز ہوتا ہے اور جسمانی مشقت میں آسانی ہوتی ہے۔ ایک سروے سے ثابت ہوا ہے کہ کوکو پاؤڈر (چاکلیٹ کا اہم جزو) بھی یہی کام کرتا ہے۔ اس میں موجود کوکو فلیو ینولز موجود ہوتے ہیں جو نہ صرف خون کے بہاؤ کو بڑھاتے ہیں بلکہ خون کے لوتھڑے بننے اور یادداشت میں زوال کو بھی روکتے ہیں۔ اس ضمن میں لیور پول ہوپ یونیورسٹی اور لیور پول جان مورس یونیورسٹی نے چالیس سے ساٹھ برس کے افراد پر فلیو ینولز کے سپلیمنٹ کی آزمائش کی ہے۔ اس رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے کہ چاکلیٹ کا اہم جزو کوفلیو ینولز سے بھرپور ہوتا ہے اور اس کا باقاعدہ استعمال جسم میں آکسیجن کی فراہمی بڑھاتا ہے۔

تحقیق میں شامل پروفیسر سائمن مارووڈ کہتے ہیں کہ جب ہم لوگوں سے کہتے ہیں کہ اپنے صوفے سے اٹھیں اور کچھ سرگرمی دِکھائیں تو پہلے ان کا سانس پھولتا ہے اور وہ ہلکی ورزش پر بھی مشکل سے آمادہ ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں چاکلیٹ اہم کردار ادا کرتی ہے۔ چاکلیٹ کھانے سے خون کا بہاؤ اور آکسیجن سپلائی بڑھتی ہے جس سے ورزش میں آسانی ہوسکتی ہے۔ ماہرین نے یہ بھی کہا کہ ادھیڑ عمر میں جسم کے ہر حصے تک آکسیجن کی فراہمی سست پڑجاتی ہے اور اس سے پٹھوں کی حرکت بھی مشکل ہوجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جوان افراد کے مقابلے میں ادھیڑ عمر کے خواتین وحضرات بہت مشکل سے ورزش پر آمادہ ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں درمیانی عمر کے کئی مرد خواتین کو شامل کیا گیا جن کی اوسط عمر ۴۵ برس تھی۔ انھیں ہفتے میں دو گھنٹے سے کچھ کم کی منصوبہ بندی کے تحت ورزش کرائی گئی۔ شریک افراد کو یا تو چارسو ملی گرام کوکو دیا گیا یا پھر انھیں فرضی دوا کھلائی گئی اور یہ سلسلہ سات روز تک جاری رکھا گیا۔ اس کے بعد شرکا میں آکسیجن کے نفوذ اور سانس کی مشقیں کرائی گئیں۔ اس ضمن میں جنھوں نے کوکو کھایا وہ بہتر طور پر ورزش کرنے لگے اور ان میں آکسیجن کی بہتر مقدار دیکھی گئی۔ ماہرین کہتے ہیں کہ فلیو ینولز چاکلیٹ کے علاوہ سبز چائے، پھلوں اور سبزیوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔ یہ اینٹی آکسیڈنٹس بھی ہوتے ہیں اور ساتھ میں جسم کی اندرونی سوزش بھی کم کرتے ہیں۔ ماہرین کا اصرار ہے کہ ورزش سے ایک گھنٹے قبل چارسو ملی گرام فلیو ینولز کا سپلیمنٹ بہت مفید رہے گا۔ اس سے قبل ایک اور مطالعے میں یہ بھی لکھا ہے کہ ڈارک چاکلیٹ میں موجود فلیو ینولز دماغی تناؤ کو کم کرتے ہیں اور صحت کو بہتر رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ دماغ میں خون کی فراہمی کو بھی بڑھاتے ہیں۔

تعلیم کے دوران وقفہ حافظہ کیلئے مفید

جرمن ماہر نفسیات کے مطابق سیکھنے اور پڑھنے کے عمل میں طویل وقفہ لیا جائے تو اس سے یادداشت اچھی ہوتی ہے اور سیکھنے کا عمل بہتر ہوتا ہے۔ اب اسی بات کے مزید سائنسی ثبوت بھی ملے ہیں۔ اس ضمن میں جرمنی کے میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ سے وابستہ ماہرین نے چوہوں کے دماغ پر بعض تجربات کیے ہیں جن میں روزمرہ زندگی کے یادداشتی تجربات شامل تھے۔ انھوں نے بھول بھلیوں میں چاکلیٹ رکھی اور اس کے تین مواقع فراہم کیے تاکہ وہ اپنا انعام حاصل کرسکیں۔ چاکلیٹ کی تین مرتبہ تلاش کے دوران چوہوں کو راہ سے واقفیت دی گئی اور انھیں سکھانے کے عمل میں مختلف مدتوں کی چھٹی دی گئی۔ جن چوہوں کو زیادہ دیر چھٹی دی گئی تھی انھوں نے چاکلیٹ کی جگہ کو بہتر طور پر یاد رکھا۔ تحقیق میں شامل سائنسداں اینٹ گلاس نے کہا کہ جن چوہوں کو پہلے دن تدریس کے دوران طویل وقفہ دیا گیا تو وہ چاکلیٹ نہ پہچان سکے لیکن اگلے دن انھوں نے بہترین کارکردگی دِکھائی اور بھول بھلیوں کو عبور کرتے ہوئے سب سے پہلے چاکلیٹ تک پہنچے۔ اگلے دن چوہوں کو سیکھنے کے دوران جتنے طویل وقفے ملے ان کی یادداشت اتنی ہی تیز دیکھی گئی۔ اس کے بعد سائنس سے مدد لی گئی اور دماغ کے اس گوشے (ڈورسل میڈیئل پری فرنٹل کارٹیکس) کا اسکین لیا گیا جو سیکھنے کے عمل میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس طرح تمام چوہوں کے دماغ کا جائزہ لیا گیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وقفہ لینے سے بھولنے کا عمل نہیں بڑھتا بلکہ دماغی خلیات نیورون کا وہ پیٹرن برقرار رہتا ہے جو سیکھنے کے عمل میں ترتیب پاتا ہے۔ اس طرح ماہرین کا مشورہ ہے کہ پڑھنے اور سیکھنے کے عمل کے دوران وقفہ یا چھٹی لینے سے دماغ کا یادداشتی حصہ مؤثر اور مضبوط رہتا ہے۔ اس وقفے کی مدت کتنی ہو اس کی تفصیل بتاتے ہوئے ماہرین کہتے ہیں کہ پڑھائی کے دوران تیس سے ساٹھ منٹ کا وقفہ دیا جانا چاہیے اور اسی مدت کے بہترین اثرات سامنے آتے ہیں لیکن اس سے کم یا زیادہ دورانیے سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوتا۔

دانتوں کی صفائی کیلئے ٹوتھ پیسٹ کی مناسب مقدار کیا ہے

جیسا کہ ہم سب کا خیال ہے کہ برش پر جتنا زیادہ ٹوتھ پیسٹ ہوتا ہے یہ دانتوں کی صفائی میں اتنا ہی زیادہ کارآمد ہوتا ہے۔ لیکن کینیڈا کے دانتوں کے ایک ڈاکٹر نے اس مشہور خیال کو مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ ٹوتھ پیسٹ کی مثالی مقدار بڑوں کے لیے ایک مٹر کے سائز سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے جبکہ یہ تین سال سے کم عمر کے بچوں کے لیے چاول کے دانے کے سائز تک کم ہوجاتی ہے۔

الرجل ویب سائٹ کے مطابق ڈاکٹر کریتھ کا سر بندران نے نشاندہی کی ہے کہ لاکھوں لوگ ٹوتھ پیسٹ کی بہت زیادہ مقدار استعمال کرتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ یہ منفی نتائج اور دانتوں کے مسوڑھوں کو نقصان پہنچاتی ہے اور ان کے ٹوٹنے اور گرنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ ٹوتھ پیسٹ میں فلورائیڈ جیسے فعال کھرچنے والے مواد ہوتے ہیں جو دانتوں اور مسوڑھوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، دانتوں کو برش سے زور سے رگڑنے کی وجہ سے دراڑیں اور سوراخ بھی ہوجاتے ہیں جن کا علاج مشکل ہوتا ہے۔ یہ فلورائیڈ زہر کے برعکس ہے۔ ایک قسم کی بیماری جو دانتوں کی رنگت یا ان پر داغوں کے ظاہر ہونے کی خصوصیت رکھتی ہے۔ یہ بیماری ان بچوں میں زیادہ پائی جاتی ہے جو ٹوتھ پیسٹ کو اس کے ذائقے کی وجہ سے نگل جاتے ہیں۔

ہم ایسے مشکل سوالوں سے گزر رہے ہیں جن کے حل کو ہم ملتوی نہیں کر سکتے

آج کا نوجوان انسانی تاریخ کی منفرد نسل ہے

میں کئی بار ہندستان آچکا ہوں، یہ ایک نرالا ملک ہے

معروف ماہر لسانیات وقابلِ اعتبار محقق جناب نوم چومسکی کا ایک اہم انٹرویو

نوم چومسکی ہماری صدی کے سب سے بڑے زبان کے ماہر اور لسانیات کے قابل اعتبار محقق مانے جاتے ہیں۔ ان کی تحقیق سائنس سے لے کر صحت تک کے شعبہ میں کام آتی رہی ہے۔ پہلے وہ امریکہ کے میساچوسیٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی میں پروفیسر تھے، وہاں سے ریٹائر ہونے کے بعد ان دنوں وہ پوری دنیا میں لیکچر دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ہندستان میں اتنی طاقت ہے کہ وہ چین کو پیچھے چھوڑ سکتا ہے۔ پیش ہے اس بات چیت کے خاص حصے۔

س: ایک روادار جمہوریت کی فکر اور وجود پر آرہی مشکلات کو آپ کیسے دیکھتے ہیں؟ اس مسئلہ کا حل آپ کس سمت میں دیکھتے ہیں؟

ج: دنیا کی دوسب سے قدیم جمہوریت برطانیہ اور امریکہ دونوں سخت مشکلات سے گزر رہی ہیں۔ برطانیہ تو ٹوٹ ہی رہا ہے۔ بورس جانسن نے جمہوری معمولات پر شدید حملہ کیا ہے جسے شاید سپریم کورٹ کو دخل دے کر مسترد کرنا پڑے۔ اسکاٹ لینڈ اور ویلس میں رائے شماری ہونے کی توقع ہے۔ کم و بیش اسی طرح کے حالات امریکہ کے ہیں۔ یہاں ہم نے جنوری میں تختہ پلٹ کی ایک کوشش دیکھی۔ کیپٹل ہل پر مشتعل بھیڑ کا حملہ کرنا ایک تشویش کی بات ہے۔ یہ بات یورپ تک بھی جاتی ہے۔

نسل انسانی کئی ہزار سالوں سے اس کرۂ ارض پر ہے، اب آج کی نوجوان نسل کو یہ طے کرنا ہے کہ انسانی تاریخ کا یہ استعمال زندہ رہے گا یا نہیں۔ ہم ایسے مشکل سوالوں سے گزر رہے ہیں جن کے حل کو اب ہم ملتوی نہیں کر سکتے۔ ان میں سب سے خوفناک کرۂ ارض کی حرارت میں اضافہ ہے۔

وہاں ایسی روایتی پارٹیاں ہیں جنھوں نے لمبے عرصہ تک حکومت چلائی، وہ ٹوٹ رہی ہیں، غائب ہورہی ہیں۔ اگر ہم ان کی وجوہات کو تلاش کریں تو اس کے ذرائع قدیم ہیں۔ پچھلے چالیس سالوں کے جدید نرم روی پروگرام آج عوام کے لیے مہلک ثابت ہورہے ہیں۔ انھوں نے تیزی سے سرمایہ کو جمع کرنے کے عمل کو آگے بڑھایا ہے۔ انھوں نے سب کو ہی شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے لوگوں میں غصہ، انتقام اور اداروں کی بے حرمتی کو بڑھایا ہے۔ یہاں تک کہ سائنس کی بھی مخالفت کو جنم دیا ہے۔ اس نے اعتماد کو بھی نقصان پہنچایا ہے۔ یہ جمہوری عمل میں عام گراوٹ ہے۔ کوئی سرکار نہیں، سب کچھ پرائیویٹ ہاتھوں میں دینے کی روش سے آپ غور کریں کیا ہونے والا ہے۔ ابھی امریکہ میں ایک تحقیق ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ ۵۰ ٹریلین ڈالر مزدوروں اور متوسط طبقہ کی جیب سے امیروں کے پاس گئے ہیں۔ جہاں جہاں نرم روی آئی ہے وہاں اسی طرح کے خطرناک نتائج دیکھنے کو مل رہے ہیں۔

س: آپ کورونا کے بعد کی دُنیا کا مستقبل کس طرح دیکھتے ہیں خاص طور سے سیاسی اور سماجی مستقبل، اس کا جواب ذہن میں رکھ کر دیجیے کہ نوجوانوں کو ہی اس کی سب سے زیادہ قیمت چکانی ہے؟

ج: آج کا نوجوان طبقہ درحقیقت انسانی تاریخ کی منفرد نسل ہے۔ نسل انسانی کئی ہزار سالوں سے اس کرۂ ارض پر ہے، اب آج کی نوجوان نسل کو یہ طے کرنا ہے کہ انسانی تاریخ کا یہ استعمال زندہ رہے گا یا نہیں۔ ہم ایسے مشکل سوالوں سے گزر رہے ہیں جن کے حل کو اب ہم ملتوی نہیں کر سکتے۔ ان میں سب سے خوفناک کرۂ ارض کی حرارت میں اضافہ ہے۔ ایک عالمی سائنسی ادارہ کی رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ اگر ہم اسی رفتار سے وسائل کا بے تحاشہ استعمال کرتے رہے تو کچھ دہائیوں میں زمینی حرارت تین سے چار ڈگری زیادہ ہوگی صنعتی انقلاب شروع ہونے کے وقت سے۔ ایسی صورت میں زندگی ناممکن ہوجائے گی۔ یہ تباہی ہوگی۔ جنوبی ایشیا اور مشرق وسطیٰ غیر آباد ہوجائیں گے، تو ہم ایسی دنیا میں داخل ہورہے ہیں مگر اس کا حل ہوسکتا ہے۔ ہمارے پاس وسائل ہیں اور ہم جانتے بھی ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کے طریقے بھی ہیں لیکن اسے فوری طور سے ابھی لاگو کیا جانا چاہیے۔ حیاتیاتی ایندھن کے استعمال کی ایک حد ہو، اس صدی کے نصف تک ہمیں حیاتیاتی ایندھن کے استعمال کو بند کرنا ہوگا۔ اس کی مثالیں بھی ہیں۔ یوروپ نے ابھی اعلان کیا ہے کہ پچاس فیصد وسائل ہمیشہ ترقیاتی عمل کے لیے ہوں گے لیکن صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے۔ ابھی اور بھی کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈونالڈ ٹرمپ نے قدرتی وسائل کے استعمال کو بڑھایا اور سارے قانون کو بالائے طاق رکھا۔ ٹرمپ کو اگر مزید چار سال کے لیے صدر منتخب کیا جاتا تو ہم شاید ختم ہوجاتے۔ خوش قسمتی سے اب ایسا نہیں ہے، اب کچھ بہتر ہوسکتا ہے لیکن یہ آپ کے اور آپ کی نوجوان نسل کے ہاتھ میں ہے۔ یہی آپ کے لیے چیلنج اور ذمہ داری ہے۔

س: آپ ہندستان کئی بار آئے ہیں۔ ہندستان آپ کی یادوں میں کس طرح محفوظ ہے اور ہندستان کے دانشوروں کے ساتھ آپ اپنے تجربوں کو کیسے یاد کرتے ہیں؟

ج: میں کئی بار ہندستان آیا ہوں اور میرا شاندار تجربہ رہا ہے۔ یہ ایک نرالا ملک ہے۔ بے انتہا دولت، جائیداد اور تہذیبی اعتبار سے مالدار اور حیران کن غریبی۔ میں نے ممبئی کی بستیوں جیسا کبھی نہیں دیکھا جو ایک مجموعہ ہے اعلیٰ عیش پرستی اور خوفناک غریبی کا، جو تباہ کن ہے۔ میں ایک قصہ سناتا ہوں، ایک صبح میں دہلی میں تھا، میں ایک پروٹیسٹ میں جارہا تھا۔ میں ارونا رائے کے ساتھ تھا جو کہ عجیب خاتون ہیں۔ ہمیں غریب عورتوں نے گھیر لیا جن کی گود میں بچے تھے اور وہ کچھ روپے مانگنے لگیں۔ میں نے غور کیا کہ اس خاتون نے کوئی توجہ نہیں دی۔ میں نے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ ان سے لڑنا ایک خودکش قدم ہے۔ یہ ہندستان ہے، حد سے زیادہ صلاحیت، بے انتہا وسائل۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے اٹھارویں صدی کا سب سے امیر ملک۔ ہندستان انگریزوں کی مچائی تباہی سے بچ سکتا ہے لیکن اسے جمہوری قدروں میں یقین رکھنے والا رہنا چاہیے۔ جو تہذیب کا دھنی ہو اور تکنیکی روپ سے مضبوط ہو۔ یہ دلچسپ ہے کہ ہندستان اور چین اٹھارہویں صدی تک دنیا کے مرکز تھے۔ ہندستان کے پاس چین سے بھی زیادہ بڑی طاقت بننے کی قابلیت اور صلاحیت ہے لیکن یہ ایک جدوجہد سے پر راستہ ہے۔ ہندستان کی بہت کامیاب علمی روایت ہے۔ میرے اپنے علاقہ میں بھی اچھے لوگ ہندستان سے ہیں جو میرے گہرے دوست بھی ہیں۔ کچھ جگہوں پر امیری اور غریبی کی تفریق مٹی ہے۔ مثال کے طور پر کیرل، تمل ناڈو، یہ پورے ہندستان سے الگ ہیں کیونکہ وہاں کوشش ہوئی ہے۔ ☐☐

یہ دلچسپ ہے کہ ہندستان اور چین اٹھارہویں صدی تک دنیا کے مرکز تھے۔ ہندستان کے پاس چین سے بھی زیادہ بڑی طاقت بننے کی قابلیت اور صلاحیت ہے لیکن یہ ایک جدوجہد سے پر راستہ ہے۔ ہندستان کی بہت کامیاب علمی روایت ہے۔ میرے اپنے علاقہ میں بھی اچھے لوگ ہندستان سے ہیں جو میرے گہرے دوست بھی ہیں۔

حکومت پر زیادہ بھروسہ نامناسب، دانشور طبقہ جھوٹ کا پردہ فاش کرے: ڈی وائی چندر چوڑ

حکومت کے وعدوں اور دعووں پر تو اکثر سوال اٹھتے رہے ہیں اور اپوزیشن پارٹیوں کے ساتھ ساتھ ماہرین بھی سچ سامنے لاتے رہے ہیں، لیکن اب سپریم کورٹ کے جج جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ نے ایک بیان دیا ہے جس میں انھوں نے دانشور طبقہ سے گزارش کی ہے کہ وہ حکومت کے جھوٹ سے پردہ اٹھائیں اور عوام کو سچ سے واقف کرائیں۔ جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ نے کہا ہے کہ یہ دانشوروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکومت کا جھوٹ سب کے سامنے لائیں۔ جسٹس ڈی وائی چندر چوڑ نے ایک پروگرام کے دوران اپنی تقریر میں یہ بات کہی۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے اور کسی بھی غلط خبر یا ایجنڈے کے لیے حکومت کی ذمہ داری طے کرنا ضروری ہے۔ کورونا کے اعداد وشمار سے چھیڑ چھاڑ کی بات کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ''ضرورت سے زیادہ حکومت پر یقین کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ سماجی، سیاسی، معاشی اور ثقافتی سچائی کو حاصل کرنے کے لیے حکومت پر ضرورت سے زیادہ یقین صرف مایوسی ہی دے گا۔ کوئی صرف اس بات پر یقین نہیں کرسکتا جو حکومت بتارہی ہے۔ بیشتر حکومتیں اپنا اقتدار بچانے رکھنے کے لیے جھوٹ بولتی ہیں۔ پوری دنیا میں یہ ٹرینڈ دیکھا جارہا ہے۔

ہوا کے دوش پر

'نیلی ہائیڈروجن' کوئلے سے بھی زیادہ ماحول دشمن: تحقیق

کورنیل یونیورسٹی اور اسٹین فرڈ کے ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ نیلی (بلیو) ہائیڈروجن کو ماحول دوست قرار دینا بہت بڑی بھول ہوگی کیونکہ اسے تیار کرنے میں کوئلے سے بھی زیادہ آلودگی خارج ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ نیلی ہائیڈروجن دراصل قدرتی گیس کی متھین میں شامل ہائیڈروجن کو علاحدہ کرکے حاصل کی جاتی ہے جس کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ توانائی کا بہتر اور ماحول دوست ذریعہ ہے۔ اس دعوے کا جائزہ لینے کے لیے کورنیل یونیورسٹی میں ماحولیات اور ماحولیاتی حیاتیات کے پروفیسر رابرٹ ہووارتھ اور اسٹین فرڈ یونیورسٹی میں تعمیراتی اور ماحولیاتی انجینئرنگ کے پروفیسر مارک جیک بسن نے مشترکہ تحقیق کی۔ انھوں نے نیلی ہائیڈروجن بنانے کے عمل سے وابستہ 'کاربن نقش قدم' (کاربن فٹ پرنٹ) کا تجزیہ کیا۔ کاربن فٹ پرنٹ سے مراد کاربن ڈائی آکسائیڈ کی وہ مجموعی مقدار ہے جو کسی بھی عمل میں اکائی پیمانے پر خارج ہوتی ہے یعنی اگر کسی عمل میں زیادہ کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہوگی تو اس کے لیے کاربن فٹ پرنٹ بھی بڑا تصور کیا جائے گا۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ نیلی ہائیڈروجن بنانے کا کاربن فٹ پرنٹ، قدرتی گیس یا کوئلے کو براہِ راست جانے کے مقابلے میں بھی بیس فیصد بڑا ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حصولِ حرارت کے لیے ڈیزل جلانے کے مقابلے میں بھی نیلی ہائیڈروجن کا کاربن فٹ پرنٹ ۶۰ فیصد بڑا دیکھا گیا۔ یہ دریافت اس لحاظ سے اہم ہے کیونکہ بڑھتی ہوئی ماحولیاتی آلودگی کے لیے ایسی ٹیکنالوجیز پر بہت زیادہ کام کیا جارہا ہے کہ جو 'کاربن نیوٹرل' ہو یعنی اس سے جتنی بھی کاربن ڈائی آکسائیڈ خارج ہو، اتنی ہی واپس جذب بھی کرلی جائے۔ نیلی ہائیڈروجن کو بھی تقریباً کاربن نیوٹرل ہی قرار دیا جارہا ہے۔ تاہم اس نئی تحقیق نے بات بالکل الٹ دی ہے۔ امریکی محکمہ توانائی کے مطابق بلیو ہائیڈروجن کی تیاری میں پہلا مرحلہ گرمی، بھاپ اور دباؤ کی مدد سے میتھین کو ہائیڈروجن اور کاربن ڈائی آکسائیڈ کے آمیزے میں بدلنے کا ہوتا ہے۔ تب اسے سرمئی ہائیڈروجن بھی کہا جاتا ہے۔ اگلے مراحل میں اس آمیزے سے کاربن ڈائی آکسائیڈ اور دوسری کثافتیں (Impurities) الگ کرکے 'نیلی ہائیڈروجن' حاصل کرلی جاتی ہے۔

دنیا کی شفاف ترین جھیل

کسی شیشے کی طرح دنیا کی شفاف ترین جھیل نیوزی لینڈ کے ایک قومی پارک میں دیکھی جاسکتی ہے جس کا پورا نام کروٹو میری وینوا ہے لیکن اسے نیلی جھیل یا بلیو لیک بھی کہا جاتا ہے۔ میٹھے پانی کی یہ جھیل نیلسن لیکس نیشنل پارک میں موجود ہے جو گلیشیر کی لینڈ سلائیڈ کی وجہ سے وجود پذیر ہوئی ہے۔ اس میں پڑوس میں موجود جھیل کا پانی آتا رہتا ہے اور وہ جھیل بھی برفانی تودا گھلنے سے بنی ہے۔ اس میں قدرتی طور پر فلٹر کا ایک نظام موجود ہے جو تمام ذرّات کو روک لیتا ہے اور جھیل کا پانی شیشے کی طرح شفاف رہتا ہے۔ نیوزی لینڈ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف واٹر اینڈ ایٹماسفیئر ریسرچ (این آئی ڈبلیو اے) کے سائنسدانوں نے اس جھیل کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ اس کے بعد پانی کو کسی کشید کردہ (ڈسٹلڈ) پانی کی طرح قرار دیا جو بہت صاف دِکھائی دیتا ہے۔ اس طرح یہ کرہ ارض پر پانی کی سب سے شفاف جھیل بھی ہے۔ این آئی ڈبلیو اے کے ماہر آب روپ میریلس نے سب سے پہلے اس جھیل پر تحقیقی کام کیا ہے۔ انھوں نے اسے دنیا کی سب سے شفاف جھیل کہا ہے اور اس پر کئی تجربات کیے ہیں اور دنیا کی کئی شفاف جھیلوں سے اس کا موازنہ بھی کیا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے ایک تجربہ بھی کیا ہے جس میں سیاہ رنگ کی ایک میٹر قطر کی طشتری کو ایک تیرتے ہوئے پیپے سے باندھ کر اسے پانی میں ڈبویا اور اسے جھیل میں دور تک لے جایا گیا، جس دوری پر یہ نظروں سے اوجھل ہوگئی اسے ہی شفافیت کا پیمانہ بنایا گیا تھا۔ تجربات سے معلوم ہوا کہ جھیل کے اندر کسی شے کو دور تک دیکھنے کی شرح ۷۰ سے ۸۰ میٹر ہے اور اسی بنا پر اسے سب سے صاف شفاف جھیل کہا گیا ہے۔ دوسری جانب اس میں پانی کا معیار بھی بہت عمدہ ہے۔ اس جھیل کے کنارے قدیم آبادی کا ایک قبیلہ رہتا ہے جسے مادری کہا جاتا ہے اور جھیل میں کسی کو بھی قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے تاہم ایک واقعہ میں اس کی اجازت دی گئی تھی۔ ۲۰۱۳ء میں ڈنمارک کے فوٹوگرافر اور ماہر ماحولیات کلاؤس تھامان کو اس قبیلے نے جھیل تک جانے کی خصوصی اجازت دے دی تھی اور اسی کے بعد جھیل کی خوبصورت تصاویر دنیا بھر میں پھیلی تھیں۔

ماضی کے جھروکے سے

تاریخ ہند کا ایک ورق

ابوالمحاسن مولانا محمد سجادؒ

جو جمعیۃ علماء ہند کے پالیسی سازوں میں ایک اہم مقام کے حامل تھے

تحریر: مولانا محمد یٰسین جہازی (جمعیۃ علماء ہند)

وائسرائے کو مکتوب

یورپ کی موجودہ جنگ کے متعلق جمعیۃ علماء ہند کی عدم شرکت کی پالیسی کے علاوہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب نے مورخہ ۳؍جنوری ۱۹۴۰ء کو وائسرائے کو ایک مکتوب بھی لکھا جس میں انھوں نے پوری قوت کے ساتھ یہ بات پیش کی کہ جمعیۃ علماء ہند کا یہ فیصلہ مذہبی اصول اور قرآن مجید کی تصریحات پر مبنی ہے۔حضرت کا یہ مکتوب کوئی عام مکتوب نہیں؛ بلکہ ظالم وجابر بادشاہ کے سامنے اعلان حق اور جرات آمیز اقدام کا عملی مظاہرہ ہے۔

جمعیۃ کی تاریخ نویسی

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے جمعیۃ کی تاریخ پر ایک مختصر؛ مگر مستند کتابچہ لکھا تھا۔ جسے حکومت دہلی نے ضبط کرلیا۔اس کتاب کے بارے میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے لکھا ہے کہ ’’جمعیۃ علما کی بیس سالہ تبلیغی، دینی، سیاسی، اجتماعی خدمات اور عملی جدوجہد کا ایک مرقع تالیف فرمایا، جو’تذکرہ جمعیۃ علماء ہند‘ کے نام سے معنون کیا گیا اور یہ عجیب بات پیش آئی کہ باوجود اس امر کے کہ اس ’تذکرہ‘ میں جمعیۃ علماء ہند کی گذشتہ خدمات کی فہرست مرتب کرنے اور مسلمانان ہند کے سامنے ان خدمات کی تفصیل کو یکجا کر کے ان کی توجہ کو جمعیۃ علماء ہند کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے سوائے اور کچھ نہ تھا؛ مگر حکومت دہلی اس کو بھی برداشت نہ کرسکی اور فوراً اس کو ضبط کرلیا اور دفتر کی تلاشی لے کر اس کی تمام کاپیاں حاصل کرلیں۔‘‘ (حیات سجاد، ص۱۵۱)

مفتی اختر امام عادل صاحب اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ ’’افسوس کہ اس دستاویزی کتاب کی ایک کاپی بھی شاید آج محفوظ نہیں ہے۔اگر یہ تذکرہ محفوظ رہتا، تو ہمیں یقین ہے کہ یہ جمعیۃ علماء ہند کی سب سے مستند تاریخ ہونے کے علاوہ فن تاریخ نویسی کا بھی شاہ کار نمونہ ہوتا؛ لکن قدر اللہ ماشاء۔‘‘ (تذکرہ ابوالمحاسن، ص۴۵۰)

حادثہ وفات

نو دن کی مختصر علالت کے بعد حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد علیہ الرحمہ نے ۱۷؍شوال المکرّم ۱۳۵۹ء مطابق ۱۸؍نومبر ۱۹۴۰ء بروز سوموار شام پونے پانچ بجے پھلواری شریف میں آخری سانس لی۔ دس بجے رات نماز جنازہ ادا کی گئی اور تقریباً ساڑھے دس بجے خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔وفات کی خبر بجلی کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی۔ متعلقین ومتوسلین پر سکتہ طاری ہوگیا۔علمی وسیاسی دنیا میں سناٹا پسر گیا۔جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ کے لیے سب سے زیادہ صدمہ کا باعث تھا۔یہی وجہ ہے کہ ایک سے زائد مرتبہ تجویز تعزیت پیش کی گئی۔ ۶/۵؍جنوری ۱۹۴۱ء کو منعقد مجلس عاملہ کے اجلاس میں تجویز پاس کرتے ہوئے کہا گیا کہ ’’جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کا یہ

> **نو دن کی مختصر علالت کے بعد حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے ۱۷؍شوال المکرّم ۱۳۵۹ء مطابق ۱۸؍نومبر ۱۹۴۰ء بروز سوموار شام پونے پانچ بجے پھلواری شریف میں آخری سانس لی۔ دس بجے رات نماز جنازہ ادا کی گئی اور تقریبا ساڑھے دس بجے خانقاہ مجیبیہ کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔**

جلسہ زعیم الامۃ، مجاہد ملّت، مفکر جلیل، عالم نبیل حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند و نائب امیر شریعت صوبہ بہار کی وفات پر (جو ۱۷؍شوال ۱۳۵۹؛ ۱۸؍نومبر ۱۹۴۰ء کو پھلواری شریف میں ہوئی) اپنے عمیق رنج واندوہ کا اظہار کرتا ہے اور اس سانحہ روح فرسا کو مسلمانانِ ہند کے لیے ناقابل تلافی نقصان سمجھتا ہے۔مولانا کی ذات گرامی مذہب وملّت اور اسلامی سیاست کی ماہر خصوصی تھی۔ان کی مذہبی، قومی، وطنی خدمات صفحات تاریخ پر آبِ زر سے لکھی جائیں گی اور مسلمانان ہندان کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ یہ مجلس مولانا کی اہلیہ محترمہ اور ان کے صاحبزادے اور دیگر اعزا کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی ظاہر کرتی ہے۔اور رب العزت جل شانہ کی بارگاہ میں دست بدعا ہے کہ مولانا کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔اور ان کی تربت کو اپنی رحمتوں کی بارش سے سیراب کرے۔آمین۔

تیرہواں اجلاس عام منعقدہ ۲۰-۲۱-۲۲؍مارچ ۱۹۴۲ء کے موقع پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ خطبہ صدارت میں اپنے قلبی تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ’’حضرات! رُفقائے کار کے اس اجتماع میں ہم حضرت مولانا ابوالمحاسن سیّد محمد سجاد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم اور برگزیدہ شخصیت کو فراموش نہیں کرسکتے، جنھوں نے گذشتہ تیس سال میں مسلمانانِ ہند کی زبردست خدمات انجام دی ہیں۔اس عرصہ میں مسلمانانِ ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایک تحریک بھی ایسی نہیں ہے، جس میں مرحوم نے پورے جوش اور سرگرمی کے ساتھ نمایاں حصہ نہ لیا ہو۔ جمعیۃ علماء ہند میں ان کی شخصیت بہت اہم تھی۔ اُنھوں نے اپنی تمام زندگی جمعیۃ علما کی خدمت اور اس کو ترقی دینے کے لیے وقف کردی تھی۔ اپنی زندگی کے آخری دور میں مرحوم جمعیۃ علماء ہند کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے تھے، ان کی وفات مسلمانان ہند کے لیے عموماً اور جمعیۃ علماء ہند کے لیے ایک ایسا قومی وملّی صدمۂ عظیم ہے، جس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔‘‘بعد ازاں پہلی تجویز آپ کی وفات حسرت آیات پر ہی پاس کی گئی۔

خلاصہ کلام

قصہ مختصر یہ ہے کہ درج بالا سطور میں تاریخی ترتیب کے اعتبار سے مطالعہ کرلیا کہ بیسویں صدی میں جمعیۃ علماء ہند اور مسلمانانِ ہند کی تمام اہم مذہبی اور سیاسی تحریکات میں کوئی ایسی تحریک نہیں ہے، جس میں مولانا محمد سجادؒ کا خون جگر اور سوز دماغ شامل نہ رہا ہو۔یہی وجہ ہے کہ آپ کو جمعیۃ علماء ہند کا دماغ کہا جاتا تھا۔اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے۔□□

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے کمال ورع وتقویٰ کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ دفتر جمعیۃ علماء ہند دہلی (گلی قاسم جان) میں تشریف فرما تھے، نماز عصر کا وقت آیا تو خدام نے جماعت کی غرض سے چٹائیاں بچھادیں، حضرتؒ جب نماز کے لئے باہر تشریف لائے اور نئی چٹائیوں پر نظر پڑی تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ کی طرف مخاطب ہوکر پر مسرت لہجہ میں ارشاد فرمایا کہ ناظم اعلیٰ صاحب نے بہت اچھا انتظام فرمایا ہے، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ یہ ناظم صاحب کا انتظام نہیں بلکہ آپ کے خادم چودھری عبدالرحمٰن کی عقیدت ہے جو کہ چٹائیاں فروخت کرتے ہیں، انہوں نے ہی اس وقت (فروخت کی) چٹائیاں بچھادی ہیں، یہ بات سن کر حضرتؒ کا چہرہ انور متغیر ہوگیا، اور اپنی جگہ سے ہٹ کر فرمایا کہ ’’ان چٹائیوں کو اٹھادو‘‘ خدام نے عرض کیا کہ عبدالرحمٰن نے اپنی خوشی سے بچھائی ہیں، حضرت نے فرمایا نہیں وہ ان کو غیر مستعمل بتا کر فروخت کرے گا، چنانچہ چٹائیاں اٹھادی گئیں اور دفتر کی چٹائیوں پر نماز ادا کی گئی۔آپ باوجودیکہ جمعیۃ علماء ہند کے بااختیار صدر تھے، لیکن کبھی اپنے ذاتی استعمال کے لئے جمعیۃ علماء کا لیٹر پیڈ استعمال نہ فرماتے بلکہ آپ اپنے لئے نہایت عمدہ کاغذ کا لیٹر پیڈ خود اپنے مصارف سے تیار کرواتے تھے اسی پر خطوط لکھتے، بلکہ جمعیۃ علماء کے متعلق امور بھی اپنے ہی کاغذ پر رقم فرماتے، اپنا ذاتی خرچ آپ نے کبھی جماعت پر نہیں ڈالا، اور اپنے خدام کو تاکید فرماتے رہے کہ ’’جماعتی اور غیر جماعتی خرچ میں ہمیشہ امتیاز رکھا جائے۔‘‘ دارالعلوم دیوبند میں درس کے دوران حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ایام درس کے علاوہ کبھی ایک دن کی تنخواہ بھی مدرسہ سے قبول نہیں فرمائی، حتی کہ استحقاقی اتفاقیہ اور علالت کی رخصتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا، بل کہ بسا اوقات مدرسہ کے کام کے سلسلہ میں سفر فرماتے تو بھی سفر کے ایام کی تنخواہ نہ لیتے تھے۔(حیرت انگیز واقعات ۷۹)

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۱۲)

جانشینی: صدر کے مرنے کے بعد نائب صدر باقی ماندہ مدت کے لیے صدر ہو جاتا ہے۔اس کی وفات کے بعد ایوان نمائندگان کا صدر یا اسپیکر اس عہدے کو سنبھالے گا۔

مواخذہ (Impleachment): دستور کی رو سے صدر کو اس کی مدتِ عہدہ پوری ہونے سے پہلے بھی اس عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے بشرطیکہ ایوانِ نمائندگان پر تجویز پاس کرے کہ صدر فلاں فلاں جرم یا جرموں کا مرتکب ہوا ہے۔اس صورت میں مقدمہ سینٹ کے پاس جائے گا اور سینیٹ بطور عدالت اس مقدمے کی سماعت کرے گی۔اس وقت سپریم کورٹ کا چیف جسٹس سینیٹ کی صدارت کرے گا۔سینیٹ حاضر اور ووٹ دینے والے ممبروں کی دو تہائی اکثریت سے صدر کو مجرم قرار دے سکتی ہے۔صدر کو زیادہ سے زیادہ یہی سزا دی جاسکتی ہے کہ اسے اس کے عہدے سے ہٹا دیا۔اب تک صرف ایک دفعہ ۱۸۶۰ء میں صدر پر مقدمہ چلایا گیا لیکن سینیٹ میں مقررہ اکثریت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے اس کے عہدے سے ہٹایا نہ جاسکا۔ایسے صدر کو اس کا بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے عہدے سے مستعفی ہوجائے لیکن اب تک صرف ایک صدر رچرڈ نکسن نے اپنی مدتِ عہدہ ختم ہونے سے پہلے ۱۹۷۴ء میں استعفیٰ دے دیا کیونکہ واٹر گیٹ کے معاملے میں وہ کسی نہ کسی حد تک ملوث تھے۔

گاھے گاھے باز خواں......

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!

ہفت روزہ **الجمعیۃ** نئی دہلی

۱۱؍تا۱۷؍نومبر ۲۰۰۵ء

کسی داغدار کو وزیر نہ بنانے کا اڈوانی جی کا انتخابی وعدہ محض سیاسی کرتب بازی

> انتخابات کے موقع پر ہر پارٹی بڑھ چڑھ کر عوام کو لبھانے والے وعدے پیش کرتی ہے۔ ۲۰۰۵ء کے بہار اسمبلی انتخابات کے موقع پر اس وقت کے بی جے پی کے صدر ایل کے اڈوانی نے وعدہ کیا تھا کہ این ڈی اے کے اقتدار میں آنے پر کسی داغدار کو وزیر نہیں بنایا جائے گا۔اس پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ تحریر کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

ہندستان میں یہ ایک روایت بن گئی ہے کہ جب بھی کوئی انتخابی معرکہ ہوتا ہے سیاسی پارٹیاں اور ان کے لیڈر اپنے انتخابی منشوروں اور انتخابی تقریروں کے ذریعہ عوام کو لبھانے کے لیے مختلف قسم کے دعوے کرنے لگتے ہیں۔اس وقت بہار میں موسم انتخاب جاری ہے۔ یہاں ایک سال کے دوران یہ دوسرا اسمبلی انتخاب ہے۔اس سے پہلے فروری میں اسمبلی انتخاب عمل میں آیا تھا۔اس وقت اسمبلی معلق رہی تھی اور کسی بھی پارٹی یا اتحاد کو اکثریت نہیں مل سکی تھی۔ بدقسمتی سے حکومت کے قیام کی کلید عوام نے ایک ایسے لیڈر کے ہاتھ میں دیدی تھی جو اپنی سیاسی چالوں اور ہوس اقتدار کے لیے مشہور ہیں حالانکہ در پردہ ان کی خواہش تھی کہ این ڈی اے اقتدار میں آجائے مگر اس کے لیے انھوں نے مسلم وزیر اعلیٰ کی شرط رکھ کر آخر میں محض مرکزی اقتدار میں اپنی حصہ داری ختم ہوجانے کے ڈر سے اس خواہش کو ظاہر نہیں ہونے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود ان کی پارٹی شکست وریخت کا شکار ہوکر بکھر گئی۔ان کی پارٹی کے ممبران کی ایک بڑی تعداد کو این ڈی اے نے خرید لیا اور پھر اسمبلی کا جو حشر ہوا وہ سب کے سامنے ہے۔اب پھر بہار اسمبلی کے انتخابات کا دور چل رہا ہے جس کی تکمیل پورے ایک ماہ کے دوران چار مرحلوں میں ہوگی۔ پہلے دو مرحلے مکمل ہوچکے ہیں اور تیسرے مرحلے (۱۳؍نومبر) کی سرگرمیاں جاری ہیں اور سیاسی پارٹیاں اور ان کے لیڈر رہیں کہ عوام کو اپنے حق میں کرنے کے لیے ممکن وناممکن ہر طرح کے وعدے کررہے ہیں۔

مرکزی حکومت میں داغدار وزراء کے خلاف تحریک چلانے والی بی جے پی کے صدر ایل کے اڈوانی نے بہار اسمبلی انتخابات کے لیے اپنی انتخابی مہم کے دوران پارٹی کے انتخابی منشور میں کیے گئے وعدوں کے علاوہ ایک وعدہ یہ بھی کیا ہے کہ اگر انتخابات کے بعد قومی جمہوری اتحاد اقتدار میں آیا تو منتخب ہونے والے داغدار ممبرانِ اسمبلی کو وزیر نہیں بنایا جائے گا۔انھوں نے اپنے حلیف جنتا دَل متحدہ میں داغدار اُمیدواروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ انھیں وزارت نہیں دی جائے گی۔ مسٹر اڈوانی نے یہ وضاحت پارٹی کے لیڈر رشتروگھن سنہا کے اس مکتوب پر کی ہے جس میں انھوں نے یہ کہہ کر ریاست میں این ڈی اے کی انتخابی مہم میں حصہ لینے سے انکار کردیا تھا کہ اتحاد نے الیکشن میں بڑی تعداد میں مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے لوگوں کو کھڑا کر کے داغدار وزراء کے خلاف تحریک چلانے کا اخلاقی حق کھو دیا ہے۔مسٹر سنہا نے اپنے مکتوب میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ بی جے پی اب یہ دعویٰ کیسے کرسکتی ہے کہ اس معاملہ میں وہ دیگر پارٹیوں سے مختلف ہے۔

بی جے پی کا اب بھی یہ دعویٰ ہے کہ اس کے اُمیدواروں میں کوئی بھی مجرمانہ ریکارڈ نہیں رکھتا البتہ مسٹر اڈوانی کے مذکورہ بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ جنتا دَل متحدہ کے امیدواروں میں داغدار لوگ موجود ہیں جبکہ ایسوسی ایشن فار ڈیموکریٹک ریفارمس (اے ڈی آر) نے داغدار اُمیدواروں کی جو فہرست تیار کی ہے اس میں بی جے پی کے کم از کم ایک درجن امیدوار شامل ہیں۔ یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ بی جے پی کی فہرست میں ماضی کے مقابلہ میں اس بار داغدار لوگوں کی تعداد کم ہے لیکن اسے کلین چٹ نہیں دی جاسکتی۔گزشتہ اسمبلی انتخابات میں پارٹی نے داغدار لوگوں کو ٹکٹ دینے کے معاملہ میں سبھی کو پیچھے چھوڑ دیا تھا۔اے ڈی آر کی رپورٹ کے مطابق پارٹی کے ۱۰۳ میں ۴۸ اُمیدوار مجرمانہ ریکارڈ کے تھے۔ان میں سے ۱۷ کامیاب بھی ہوئے۔اس طرح پارٹی کے کامیاب ۳۷ اُمیدواروں میں تقریباً نصف داغدار تھے۔ یہی حال اس کی حلیف جنتا دَل متحدہ کا تھا۔اس کے ۱۳۸ میں سے ۵۶ اُمیدوار داغدار تھے اور کامیاب ۵۵ میں سے ۲۴ مجرمانہ ریکارڈ والے تھے۔اس بار جنتا دَل میں یہ تناسب اور بھی بڑھ گیا ہے اس لیے کہ لوک جن شکتی پارٹی کے بیشتر داغدار سابق ممبرانِ اسمبلی جنتا دَل متحدہ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑ رہے ہیں۔اس سال فروری کے اسمبلی انتخابات میں دیگر پارٹیاں بھی اس معاملہ میں پیچھے نہیں تھیں۔ بہوجن سماج پارٹی کے ۲۳۳ میں سے ۴۲، راشٹریہ جنتا دَل کے ۲۱۵ میں سے ۴۸، لوک جن شکتی پارٹی کے ۱۷۸ میں سے ۶۰، سماجوادی پارٹی کے ۱۴۲ میں سے ۴۲، سی پی آئی (مالے) کے ۱۰۴ میں سے ۴۸ اور کانگریس کے ۸۴ میں سے ۱۶ کا ریکارڈ مجرمانہ تھا۔۲۴۳ رُکنی اسمبلی میں ۱۰۲ داغدار اُمیدوار کامیاب ہوکر پہنچے تھے۔ان کا تناسب تقریباً ۴۲ فیصد تھا۔ان میں سے بعض کے خلاف سنگین قسم کے الزامات کے تحت مقدمات بھی چل رہے ہیں۔اس بار بھی الیکشن کمیشن کی سختی اور ہائی کورٹ کی طرف سے فرار ملزموں کی گرفتاری کے باوجود بڑی تعداد میں ایسے لوگوں نے کاغذات نامزدگی داخل کردیے ہیں، بے شرمی کی انتہا یہ ہے کہ کمیشن کی ہدایت کے مطابق انھوں نے اپنے حلف نامہ میں جرائم کی فہرست بھی گنائی ہے۔اس بار ایسے لوگوں نے سیاست سے بچنے کیلئے ایک نیا طریقہ تلاش کرلیا ہے۔ مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے لوگوں کی جگہ ان کی بیویاں الیکشن لڑ رہی ہیں۔

جس ریاست کی اسمبلی میں اتنی بڑی تعداد میں مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے پہنچ جائیں، ان سے ریاست میں امن وقانون کی صورت حال میں بہتری کی اُمید کس طرح کی جاسکتی ہے۔ مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے اُمیدواروں کو کھڑا کرنے کے باوجود ہر پارٹی ووٹروں سے یہی وعدہ کررہی ہے، وہ اقتدار میں آنے کے بعد امن وقانون کی صورتِ حال بہتر بنائے گی۔ یہ کتنی مضحکہ خیز بات ہے کہ ایک طرف داغدار لوگوں کو ٹکٹ دے کر اسمبلی میں اپنی نشستوں میں اضافہ کی اُمید کی جارہی ہے اور دوسری طرف یہ وعدہ کیا جارہا ہے کہ اقتدار میں آنے کے بعد ایسے لوگوں کو وزیر نہیں بنایا جائے گا اور صاف ستھری حکومت فراہم کی جائے گی۔سوال یہ ہے کہ جب ایسے لوگوں کو وزیر نہیں بنایا جائے گا تو انھیں پارٹی میں شامل کرنے، ان کی مدد لینے اور انھیں ٹکٹ دینے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا شریف اور ایماندار لوگوں کی کمی تھی یا کوئی اور مجبوری؟ ایک طرف تو مرکز میں داغدار وزراء کے خلاف تحریک (باقی صـ۱۴ پر)

جنگ آزادی میں تضادات کی لہریں

تحریر: عارف عزیز، بھوپال

آزادی کی ۷۵ ویں سالگرہ بیرونی اقتدار واستبداد کے خلاف اُس سرفروشانہ جدوجہد کی یاد دلاتی ہے جس کی تاریخ ہمارے بزرگوں کے خون و پسینہ سے عبارت ہے۔ انگریزوں نے اگرچہ اِس کو غدر اور ناکام بغاوت سے تعبیر کرکے اِس کی اہمیت کم کردینا چاہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جدوجہد آزادی کی یہی مرحلے ہندوستان کی آزادی کی بنیاد بنے اور اِس کے دوران جن ہزاروں محبانِ وطن اور جانبازوں نے بے دریغ اپنی زندگیوں کا نذرانہ پیش کیا وہی استخلاصِ وطن کا عنوانِ جلی ثابت ہوئے۔

آج آزادی کے ۷۴ برس بعد ملک کا جو ماحول ہمیں دکھائی دیتا ہے اور اُس میں تضادات کی جو لہریں دوڑتی نظر آتی ہیں اگر تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ جواہر لال نہرو کے الفاظ میں ''یہاں دو مختلف دھارے ہر عہد میں متوازی طور پر بہتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ علم وفن، تہذیب وتمدن، صناعی و مصوری اور شعر وموسیقی ہی نہیں سیاست وحریت میں بھی اس تضاد اور اختلاف کی واضح جھلکیاں نظر آتی ہیں'' مثلاً قدیم ہندوستان میں جہاں اکبر پوری طاقت سے اسلامی ذہن اور اُس کی تعلیمات کو مسخ کردیتا ہے وہیں اُس کا ہندو سپہ سالار مان سنگھ مسلم سلطنت کے قیام کے لئے اپنے ہم مذہبوں سے دست وگریباں ہے۔ جے چند اپنے دوسرے ہندو راجہ پرتھوی راج کی دشمنی پر کمربستہ ہے تو میر جعفر اور میر صادق سراج الدولہ اور ٹیپو سلطان جیسے حریت پسندوں کے خلاف انگریزوں سے ہاتھ ملا لیتے ہیں یہ انسانیت کا المیہ یا انسانوں کی پستی نہیں بلکہ ہندوستانی تاریخ کا وہ مزاج ہے جس سے کوئی زمانہ محفوظ نہیں۔ یہاں تک کہ ماضی قریب میں انقلابی ذہن کے اعتبار سے یکساں صلاحیت رکھنے والے رہنما ایک دوسرے سے متضاد فکر کے حامل نظر آتے ہیں۔

ایک طرف مہاتما گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر مختار انصاری ہیں جو حب الوطنی، قوم پرستی اور قومی نقطہ نظر کے نڈر علم بردار ہیں تو دوسری جانب ویر ساورکر، ڈاکٹر مونجے، محمد علی جناح، لیاقت علی خاں اور گروگولکر ہیں جو اپنی پوری انقلابی روح اور ذہنیت کے باوجود زندگی کے بڑے حصّہ میں علاحدگی پسندی اور دوقومی نظریے کے لئے سرگرم عمل رہے۔

ہندوستان کی تاریخ کے قدرتی بہاؤ کے دوسری تمام تاریخوں سے مختلف ہونے کے ثبوت میں جمہوریت کی مثال بھی پیش کی جاسکتی ہے جس کی ابتداء سارے عالم میں انقلابِ فرانس کے بعد شمار کی جاتی ہے لیکن یہاں انقلابِ فرانس کا زمانہ انتہائی تاریک اور استحصال سے پُر تھا کیونکہ جس وقت انقلاب فرانس کا پروردہ نپولین ساری دنیا کو آزادی اور نئی روشنی سے متعارف کرا رہا تھا ٹھیک اُسی وقت ہندوستان میں نوآبادیاتی نظام کے محافظ سر آرتھر ویلزلی کی گولی بطلِ حریت سلطان ٹیپو کا سینہ لہولہان کررہی تھی یا جس وقت امریکہ میں واشنگٹن کی قیادت میں انسانی آزادی اور مساوات کا پرچم بلند ہورہا تھا، اُس وقت ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک نوآبادیاتی نظام برگ وبار لارہا تھا اور امریکہ سے روسیاہ ہوکر انگلستان لوٹنے والے گورنر جنرل لارڈ کارنواس کو ہندوستان کا گورنر بنا کر بھیجنے میں قطعی جھجک محسوس نہیں کی جارہی تھی۔

ہندوستان کی تاریخ کے غیر متوازن سفر کا ثبوت جگہ جگہ ۱۸۵۷ء کی اس ولولہ انگیز اور ملک گیر مہم میں بھی ملتا ہے جو اگر کامیابی سے ہمکنار ہوجاتی تو یہاں کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا۔ اس تحریک کے عالمِ شباب میں دہلی جیسے مرکز میں ہندو مسلم فساد ہوتے اور بازار لوٹ لئے جاتے۔ سکھ فوجی آٹھ دن تک شہر کے سقوط کے بعد وہاں لوٹ مار مچاتے اور مسلم آبادی کو ہر طرح کے ظلم کا نشانہ بناتے ہیں۔ دوسری طرف ہزاروں ہندو اُس نجات دہندہ فوج کے ہراول دستے میں دادِ شجاعت دیتے دکھائی دیتے ہیں جو صرف مغلیہ سلطنت کو قائم رکھنے کے جذبہ سے پورے شمالی ہند کے ہر ہر قریہ میں برسرِ پیکار تھی۔ اسی طرح تاریخ کے صفحات پر یہ حقیقت ثبت ہے کہ مہاراجہ جے پور ۱۸۵۷ء کے مجاہدوں کو صرف اس بناء پر مدد دینے سے انکار کردیتے ہیں کہ ان کی کامیابی سے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کو استحکام ملے گا۔ ایک طرف تاریخ میں اودھ کے تعلقہ داروں میں سے ایک غیر مسلم تعلقہ دار راجا کنور سنگھ کا وہ کارنامہ ہے جو فرض شناسی اور وقار کے خون سے لالہ زار ہوکر ہمیشہ کے لئے نقش ہوچکا ہے۔

۱۸۵۷ء اور اس کے کچھ بعد تک ہندوستان کی عام سیاسی صورت حال یہ تھی کہ لڑنے بھڑنے یا فتح و شکست پانے کا سارا کام ایک مخصوص طبقہ کے سپرد تھا اگرچہ اس جدوجہد میں عام رعایا کی اچھی خاصی تعداد کام آتی رہی لیکن جدوجہد آزادی کی رفتار اور نشیب و فراز سے اسے کوئی خاص مناسبت نہ تھی کیونکہ ہندوستان میں جس طویل عرصہ تک بادشاہت رہی اس کا لازمی اور طبعی خاصہ یہ بھی تھا کہ یہاں کے لوگ بادشاہت اور مطلق العنان حکمرانی میں امتیاز نہ کرسکیں۔

انگریزی فوج سے مقابلہ آرائی کرتے ہوئے جب یہ بہادر فتح وکامرانی سے مایوس ہوگیا تو اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈال دے لیکن انگریز کمانڈر نے جب اُس سے خود اُس کی تلوار طلب کی تو اُس کے برملا الفاظ تھے کہ ''میں کیسے ہتھیار ڈال سکتا ہوں یہ لوگ میری ذمہ داری اور ملکیت میں تھے، میں نے اُن کی جانیں ضائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اِس لئے ہتھیار ڈالنے کا حکم دے کر اُن کی جانیں بچالیں لیکن مجھ پر میرا حکم نہیں چلتا، میں برجیس قدر کی ملکیت ہوں، وہ مجھے ہتھیار ڈالنے کا حکم دینے یہاں نہیں، لہٰذا میں آخری لمحہ تک لڑتے رہنے کے علاوہ کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کرسکتا'' اُس نے تنہا انگریز فوج پر حملہ کردیا اور لڑتے لڑتے جان دے کر قربانی اور بہادری کی وہ تاریخ رقم کرگیا جس کا ایک ایک لفظ انگاروں کی طرح آج بھی دہک رہا ہے۔

تحریک آزادی کے یہ تضادات کسی ایک دور یا زمانے تک محدود نہیں، بعد کی جدوجہد آزادی کے دو مرکزی کرداروں کے مطالعہ سے اِس تضاد کی ایک اور تہہ سے پردہ اُس وقت اُٹھتا ہے جب ۱۹۳۱ء کے کراچی میں منعقدہ کانگریسی اجلاس سے عین ایک دن قبل شہید بھگت سنگھ کو پھانسی دے دی جاتی ہے اور اُس کے نتیجہ میں نہ صرف حکومت بلکہ گاندھی جی کے خلاف بھی ملک گیر مظاہرے ہوتے ہیں کیونکہ اُن پر یہ الزام عائد لگایا جارہا تھا کہ اُنہوں نے بھگت سنگھ کی جان بچانے کے بجائے دوہرا کردار ادا کرتے ہوئے انگریز حکومت سے کئے گئے اپنے 'دہلی پیکٹ' کا تحفظ کرنا زیادہ ضروری سمجھا اور اِس طرح شاید اُن کی نظر میں ایک انقلابی کی جان سے زائد قیمتی 'دہلی معاہدہ' ہوگیا تھا۔

اس تجربہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ سرزمینِ ہند پر حریت پسندوں اور بزدلوں، مصلحت اندیشوں اور بہادروں، وطن پروروں اور وطن فروشوں نیز فرقہ پرستوں اور رواداروں کی متضاد صفیں آراستہ تھیں۔ ایک طرف برجیس قدر اور حضرت محل کی قیادت میں راجہ کنور سنگھ جاں نثاری اور وفاداری کا باب کھولتا ہے تو دوسری طرف اُس راجہ کی مشتبہ تصویر پس منظر سے ابھری نظر آتی ہے جس نے بغاوت کے بعد مولانا احمد اللہ کو دھوکہ سے قتل کرکے اُن کا سر کمپنی بہادر کے کمانڈر کو بھجوادیا تھا۔ ایک طرف عظیم محبّ وطن عظیم اللہ خاں ہیں جو اپنے آقا نانا صاحب کے لئے سر ہتھیلی پر رکھے راجپوتانہ اور بندیل کھنڈ کی سرزمین کو زیروزبر کئے ہوئے ہیں تو دوسری جانب نوابانِ رام پور اور حیدرآباد ہیں جو استخلاص کے لئے کفن بردوش قیادت میں پھوٹ ڈلوانے اور اختلاف کو ہوا دینے والی سازشوں کا خمیر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ پھر اس ہولناک جنگ کا وہ ردِّعمل ہے جو آبادیوں کو خس وخاشاک کے ڈھیروں اور انسانی بستیوں کو لاشوں کے انباروں میں تبدیل کئے دے رہا ہے۔

ایک مشتِ خاک اور بے حقیقت تنکے کی بھی کوئی قیمت ہے لیکن انسانی سر کی اتنی بھی قیمت نہیں تھی، دس، دس، پچاس، پچاس اور بعض اوقات ہزار ہزار انسانی نفوس ایک ہی وقت میں تختہ دار پر چڑھائے جارہے ہیں۔ شریف اور پردہ نشین عورتوں پر بھنگیوں نے چڑھائی کرکے ان کے کانوں سے بالیاں تک نوچ لی ہیں۔ پورا شمالی ہند میدانِ حشر کا نقشہ پیش کررہا ہے۔ مرزا غالب کے الفاظ میں ''چوک مقتل اور گھر زنداں کے نمونے بن گئے ہیں'' مختلف طبقات شکست وریخت کا شکار ہیں۔ معاشرہ منتشر ہورہا ہے۔ شرافت کے معیار تبدیل ہورہے ہیں اور تاریخ کا دھارا ایک غضب ناک آواز کے ساتھ شمال مشرقی ہندوستان کے میدانوں میں آبشار کی مانند جھاگ اُگل رہا ہے، قدیم تعلقہ دار سولیوں کی بلندیوں پر سوکھ رہے ہیں، اُن کی جگہ نئے تعلقہ دار انگریزوں کی عطا کی ہوئی مسندیں بچھا رہے ہیں۔ پورا ملک ایک انقلاب سے دوچار ہے، جاگیردار تبدیل ہورہے ہیں، زمیندار بدل رہے ہیں۔ رعایا کی نوعیت میں تغیر ہورہا ہے، ہر طرف خوف و دہشت کا راج ہے، اِس سیلابِ بلاخیز نے پنجاب سے لے کر بنگال تک کی سرزمین کو گھیر لیا ہے اور عافیت پناہ کی تلاش میں منہ چھپائے پھر رہی ہے۔

۱۸۵۷ء کی شکست دو فوجی فریقوں میں سے ایک کمزور فریق کی شکست نہیں بلکہ اُس پورے نظام کی شکست تھی جو کم وبیش تبدیلیوں کے ساتھ ڈھائی ہزار سال سے ہندوستان میں قائم تھا اور یہ اُسی طرح ناکامی اور لاحاصلی پر ختم ہوا جس طرح اِس سے ۲۶ برس پہلے سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک ختم ہوئی تھی لیکن ان دونوں تحریکوں کے نتائج میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔ ۱۸۳۱ء میں جو سلسلہ شروع ہوا تھا اُس کی ناکامی ایک عسکری مہم کی ناکامی تھی، اُس کے نامور اور عظیم رہنما اِس میں شہید ہوکر تحریک کو قیادت سے محروم کرگئے لیکن وہ معاشرہ اپنی جگہ قائم تھا جس نے اس مہم کے لئے مواد اور قیادت فراہم کئے تھے۔ وہ نظام اپنے کھوکھلے پن یا کمزوری کے باوجود باعتبار ڈھانچے کے سلامت تھا جس کی پس پشت بہادری و کمزوری، شکست و ریخت، کامیابی و ناکامی کی دو صدیوں پرانی وہ زنجیر تھی جو اس نظام کو تھامے ہوئے تھی۔

یہ تحریک اُن جانبازوں کی قوتِ بازو اور جدوجہد کا نتیجہ تھی جو انگریزوں کی حکومت کو مذہب اور اسلامی شعائر کے لئے سنگین خطرہ سمجھتے تھے اور اس سے چھٹکارہ پانے کی کوشش کو دینی یا مذہبی فریضہ خیال کرتے تھے یعنی بزرگانِ دین، علماء کرام اور اُن کے معتقدین یا اُن میں وہ لوگ شریک تھے جنہیں تحریک کی کامیابی سے اپنا مطمع نظر پورا ہوتا دکھائی دیتا تھا جن میں بہادر شاہ ظفر، مہارانی لکشمی بائی، برجیس قدر، نانا صاحب اور تاتیا ٹوپے شامل تھے، یا وہ تھے جو انگریزوں کی پالیسیوں اور ظلم کا شکار ہوچکے تھے اور انہیں اِس کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آتا تھا کہ وہ بزدلوں کی طرح تباہ و برباد ہوجائیں یا اپنے بساط بھر لڑتے لڑتے کام آجائیں، اِن میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی اس کے برعکس ہندوؤں کی اصل اور طاقتور ریاستیں اِس جنگِ آزادی سے نہ صرف الگ تھلگ رہیں بلکہ اُن کی فوجی طاقت اِس تحریک کو کچلنے میں انگریزوں کے شانہ بشانہ مصروف رہی۔

۱۸۵۷ء اور اُس کے کچھ بعد تک ہندوستان کی عام سیاسی صورتِ حال یہ تھی کہ لڑنے بھڑنے یا فتح وشکست پانے کا سارا کام ایک مخصوص طبقہ کے سپرد تھا اگرچہ اس جدوجہد میں عام رعایا کی اچھی خاصی تعداد کام آتی رہی لیکن جدوجہد آزادی کی رفتار اور نشیب وفراز سے اسے کوئی خاص مناسبت نہ تھی کیونکہ ہندوستان میں جس طویل عرصہ تک بادشاہت رہی اس کا لازمی اور طبعی خاصہ یہ بھی تھا کہ یہاں کے لوگ بادشاہت اور مطلق العنان حکمرانی میں امتیاز نہ کرسکیں۔ موجودہ ہندوستان کی پریشانی، غیر متوازن سماج اور پارہ پارہ تہذیب اور سیاسی محاذوں پر افراتفری کا یہی سبب ہے کہ یہاں جمہوریت کے اس نظام کو قدرتی نشوونما اور ارتقاء کے مواقع کم میسر آئے جس کے تحت آزادی کے بعد ملکی کاروبار چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔ □□

عالمِ اسلام

مشترکہ فوجی مشقوں میں سعودی عرب اور پاکستان سمیت ۲۱ ملکوں کی شرکت

مصر میں ۲۱ ممالک کی مشترکہ فوجی مشقوں کا آغاز ہوا ہے مشقوں میں سعودی عرب، مصر، پاکستان برطانیہ، یونان، امریکہ، قبرص، اردن سمیت دیگر ممالک شامل ہیں۔ سعودی خبر رساں ایجنسی ایس پی اے کے مطابق مصر کے محمد نجیب ملٹری بیس پر ہونے والی فوجی مشقوں کو 'النجم الساطع ۲۰۲۱' کا عنوان دیا گیا ہے۔ فوجی مشقوں کا مقصد دوست ممالک کے مابین پیشہ ورانہ عسکری مہارتوں کا تبادلہ اور باہمی طور پر عسکری کارروائیوں اور حکمت عملی کا جائزہ لیتے ہوئے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے مہارت میں اضافہ کرنا ہے تاکہ علاقے اور سمندری امن کو مستحکم بنایا جاسکے۔ فوجی مشقوں میں فضائیہ کے یونٹس بھی خصوصی طور پر شرکت کررہے ہیں تاکہ عسکری مہارت میں اضافہ کیا جائے اور باہمی پیشہ ورانہ مہارتوں کا تبادلہ کیا جاسکے۔

تدفین کیلئے فیس مقرر کیے جانے سے متعلق افواہوں کی تردید

سعودی عرب میں تدفین کے لیے فیس مقرر کیے جانے سے متعلق افواہوں کو بے بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ ویب نیوز سبق نے باخبر ذرائع کے حوالے سے بتایا کہ تدفین کے لیے فیس مقرر کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے اور نہ اس پر غور کیا جارہا ہے۔ ذرائع نے مزید کہا کہ سوشل میڈیا پر اس حوالے سے وائرل ہونے والی افواہوں میں کوئی صداقت نہیں۔ اس بارے میں نہ تو کوئی فیصلہ کیا گیا ہے اور نہ ہی اس قسم کا کوئی منصوبہ مرتب کیا ہے۔ واضح رہے کچھ عرصے سے سوشل میڈیا پر وزیر بلدیات کے حوالے سے کہا جارہا تھا کہ قبرستانوں کو نجی کمپنی کے تحت کیا جارہا ہے تاکہ بہتر خدمات فراہم کی جاسکیں۔ کہا جارہا تھا کہ قبرستانوں کے امور نجی کمپنی کو دینے کی بات کی ہے گئی جس کے بعد تدفین کے لیے بھی فیس مقرر کردی جائے گی۔ سوشل میڈیا پر ان افواہوں کے حوالے سے ذرائع نے تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان میں کوئی صداقت نہیں نہ ہی کوئی منصوبہ ہے۔

ایران: کورونا سے خامنہ ای کے سینئر فوجی مشیر ہلاک

ایران کے سپریم لیڈر آیت اللہ خامنہ ای کے سینئر فوجی مشیر، جو ایرانی افواج کے چیف آف سٹاف بھی رہے، جمعہ کو انتقال کرگئے ہیں۔ عرب نیوز نے ایران کی سرکاری نیوز ایجنسی ارنا کا حوالہ دیتے ہوئے بتایا ہے کہ حسن فیروز آبادی جن کی عمر ۷۰ سال تھی، ۱۹۸۹ء سے ۲۰۱۶ء تک ایران میں سب سے سینئر فوجی اتھارٹی تھے۔ ارنا نے اس بیماری کی تفصیلات نہیں بتائی جس سے ان کی ہلاکت ہوئی ہے لیکن ایران کی مقامی خبر ایجنسیوں جن میں ایسنا اور فارس بھی شامل ہیں، کا کہنا ہے کہ ان کی موت کورونا وائرس کی وجہ سے ہوئی ہے۔ خیال رہے کہ امریکی وزارت خارجہ نے حسن فیروز آبادی پر انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیوں کی وجہ سے پابندیاں عائد کررکھی تھیں۔ گذشتہ ہفتے ایران جو مشرق وسطیٰ میں کورونا وائرس سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ممالک میں سے ایک ہے، میں یومیہ ہلاکتوں کی تعداد ۷۰۹ تھی۔ ایران میں ۳۰؍ستمبر کو کورونا وائرس کے ۳۰ ہزار سے زائد کیس سامنے آئے ہیں جبکہ کیسوں کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ ۵۵ ہزار سے تجاوز کرچکی ہے۔

جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا حصہ

تحریر: ڈاکٹر مرضیہ عارف، بھوپال

ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی تاریخ کا سب سے اہم باب مسلمانوں کے خون سے لالہ زار ہے جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر صدیوں حکمرانی کی تھی اس لئے انہیں انگریزوں کی غلامی لعنت کا طوق نظر آئی اور وہ اس کے خلاف صف آرا ہوگئے دیگر برادران وطن کی اکثریت کیونکہ آزادی کی نعمتوں اور غلامی کی ذلتوں سے ناآشنا تھی ان تک مسلمانوں نے حریت کا پیغام پہنچایا اور بلالحاظ مذہب وملت ہندوستان پر صرف ہندوستانیوں کے حق کی صدا لگائی جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مسلمان ہی نہیں دوسرے شہری بھی انگریزوں کے جبرواستبداد کے خلاف سینہ سپر ہوگئے دوسری طرف مختلف مذاہب کے ماننے والوں اور متنوع زبانوں یا تہذیبوں کی نمائندگی کرنے والوں میں اتحاد پیدا ہوا مگر جلدی ہی انگریزوں کی ریشہ دوانیوں نیز ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی نے ہندو مسلم اتحاد کی فضا کو باقی نہ رہنے دیا۔ ہندوستان کی جنگ آزادی کی تاریخ کا اگر غیر جانبداری سے جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اعتراف لازم ہوگا کہ مجاہدین آزادی کی صفوں میں ہندوستان کے مسلمان سب سے آگے تھے اور انہوں نے انگریزوں کے ظلم وستم کا سب سے زیادہ مقابلہ کیا اور وہ عظیم قربانیاں پیش کیں جو تاریخ میں آبِ زر سے لکھی جانے کے قابل ہیں مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں جو تاریخ مرتب کی جارہی ہے یا نئی نسل کو نصاب میں جو کتب پڑھائی جارہی ہیں ان کے صفحات مسلمانوں کے ذکر سے خالی ہیں اور بعض تنگ نظر مورخوں کا تو یہ خیال ہے کہ تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار منفی رہا ہے اس کے ثبوت میں جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے کہ جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا عمومی کردار مذہبی جذباتیت پر مبنی اور فرقہ پرستانہ تھا انہوں نے انگریزوں سے گٹھ جوڑ ہی نہیں کیا بلکہ ان کے آلہ کار بن کر تقسیم وطن جیسے فرقہ پرستانہ مطالبہ کے بھی وہ مرتکب ہوئے۔ اس کے علاوہ مسلم رہنما ''ہندوستانی قومیت'' کو بھی شک وشبہ کی نظر سے دیکھتے رہے حالانکہ یہ کہنا جتنا غیر حقیقی اور غلط ہے اس سے زیادہ گمراہ کن بھی ہے تاریخ کا بے لاگ مطالعہ اس کی مکمل تردید کرتا ہے۔ دراصل اس سلسلہ میں شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ مفروضہ قائم کرلیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو کانگریس کے خلاف تھا وہ آزادی کی لڑائی کا بھی مخالف رہا۔ جبکہ کانگریس سے الگ رہ کر بھی متعدد رہنماؤں نے جنگ آزادی میں زبردست کردار ادا کیا ہے ایسے تجزیہ نگاروں کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ کانگریس ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی اور ۱۹۴۷ء تک اس کا رول ایک ایسی تحریک کی طرح رہا۔ جس میں مختلف نقطہ نظر رکھنے والے شامل تھے اس لئے ان عناصر کی قربانیوں کو فراموش کردینا جنہوں نے کانگریس کے قیام سے قبل اپنا خون پسینہ بہایا درست نہیں ہے۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں آزادی کی ۷۴ ویں سالگرہ کے موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم محبان وطن کے ان کارناموں سے آگاہ ہوں جن کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے آزادی کے پرچم کو رنگ ونور عطا کیا خصوصاً مسلمانوں کے اس کردار کا تعین کریں جن کی بے مثال قیادت اور سرفروشانہ جدوجہد نے کامل آزادی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کردیا۔

انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں تحریک آزادی کا آغاز اس معرکہ سے ہوتا ہے جو پلاسی کے میدان میں ہوا اور جہاں والی بنگال سراج الدولہ نے سب سے پہلے انگریزوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو کچل دینا چاہا لیکن سامانِ حرب کی موجودگی اور عددی اکثریت کے باوجود وہ انگریزوں کی شاطرانہ چالوں سے مات کھا گئے اور اس بہادرانہ جنگ کا فیصلہ سراج الدولہ کے وزیر میر جعفر کی غداری ونمک حرامی کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف برآمد ہوا۔

۱۷۶۴ء میں دوسری مرتبہ بنگال کے میر قاسم دہلی کے فرمانروا شاہ عالم اور والی اودھ شجاع الدولہ نے مشترکہ طور پر انگریزوں کو گھیرنا چاہا لیکن بکسر کے مقام پر شدید جنگ کے بعد بھی اس اتحاد ثلاثہ کو کامیابی نہ ملی کیونکہ اس وقت تک انگریز بنگال میں اپنے قدم جما چکے تھے۔ انگریزوں کے خلاف تیسرے جہاد کا خاتمہ ۱۷۹۹ء میں ۲۲ سالہ سرفروشانہ جدوجہد کے بعد سری رنگا پٹنم میں اس وقت ہوا جب فدائے ملک وملت سلطان ٹیپو نے اپنے مصاحب میر صادق کی سازش سے جام شہادت نوش کیا۔ اس بہادر انسان نے انگریزوں کی یلغار کا کس ولولہ اور ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا اس کا ایک معمولی ثبوت خود اس کے یہ الفاظ ہیں کہ ''گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔''

اسی شیر کی خون آلودہ لاش دیکھ کر انگریز جنرل کی زبان بے ساختہ پکار اٹھی تھی کہ:

''آج ہندوستان ہمارا ہوگیا'' لارڈ میکالے کا کہنا ہے کہ ''اگر ہندوستان میں مسلمان انگریزوں کے خلاف ابتداء میں صف آرا نہ ہوئے ہوتے اور اپنی جانوں کی بازی لگا کر ان کی سخت مزاحمت نہ کرتے تو نہایت آسانی سے پون صدی قبل ہندوستان پر ہمارا قبضہ ہوجاتا اور ۱۸۰۶ء سے ہندوستان میں انگریزوں کا جو تجارتی دور شروع ہوا بہت جلد حکومتی دور میں تبدیل ہوجاتا مگر یہ مسلمانوں کی اولوالعزمی اور مجاہدانہ جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان پر انگریزوں ی گرفت ۱۸۵۷ء سے قبل مضبوط نہ ہوسکی۔''

ہندوستان کو انگریزوں کی غلامی سے آزاد کرانے میں ولی اللٰہی سلسلہ کے علماء کرام کا بھی بڑا حصہ رہا ہے حالانکہ خود حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی وفات ۱۷۷۶ء میں ہوگئی تھی مگر ان کی اصلاحی اور انقلابی تحریک ان کے بعد ہی برگ وبار لائی اور اس نے برسوں سے خوابِ غفلت میں گرفتار مسلمانوں میں جذبۂ حریت کا گہرا شعور اور جہاد کا نہ ختم ہونے والا جوش پیدا کیا ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز دہلوی اور بھائی بھتیجوں نے اپنے اسلاف کی تحریک کو نہ صرف آگے بڑھایا بلکہ علماء اور معتقدین کی وہ جماعت بھی تیار کرلی جس کے ایک بازو کے سپرد جہاد آزادی اور مسلح فوجی سرگرمیاں تھیں اور اس کے قائد سید احمد شہیدؒ اور اسماعیل شہیدؒ تھے تو دوسرے حصہ کے زیرنگیں تعلیم وتربیت کے ساتھ روحانی خدمات بھی تھیں۔ اس باکمال جماعت نے ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے ۱۸۰۸ء میں اپنی ان سرگرمیوں کا آغاز کیا جو کچھ عرصہ بعد ہی انگریزوں کے خلاف باقاعدہ اعلان جنگ میں تبدیل ہوگئیں۔ اس جماعت نے ہندوستان کو 'دارالحرب' قرار دے کر عوام بالخصوص مسلمانوں میں وہ جذبہ حریت پھونکا کہ مجاہدین نے معمولی جدوجہد کے بعد بیشتر مقامات پر عارضی حکومتیں قائم کرلیں مگر اس وقت بھی انگریزوں کا سازشی ذہن کام آیا اور انہوں نے سکھوں کو اس جماعت کے خلاف استعمال کیا لہذا پہلے تو خالصہ فوج کو پیہم شکست ہوئی مگر ۱۸۳۱ء میں بمقام بالاکوٹ ایک گھمسان کی جنگ میں اسے کامیابی ملی اور مسلم مجاہدین دادشجاعت دیتے ہوئے شہید ہوگئے لیکن ان کی یہ تحریک پھر بھی ختم نہ ہوئی بلکہ زیرزمین ۱۸۵۷ء تک جاری رہی اور پورے ہندوستان میں مسلسل ۲۶ برس تک انقلاب اور جہاد کی آگ بھڑکاتی رہی۔

۱۸۵۷ء کا جہاد آزادی جس کو انگریزوں نے 'غدر' کا نام دیا ہے دراصل جذبہ آزادی تھا جس سے سرشار ہوکر ہندوستانیوں اور خاص طور پر مسلمانوں نے برطانوی استبداد کے خلاف بہادر شاہ ظفر کے پرچم تلے آزادی کی لڑائی لڑی تھی۔ اس کے برعکس میرٹھ کے فوجیوں کی منشا صرف ذاتی اغراض یا مفادات ہوتے تو وہ دہلی کا رخ کیوں کرتے اور کرتے بھی تو بہادر شاہ ظفر کو اس جہاد کی علامت نہ بناتے پھر پندرہ بیس دن کے اندر ان کے خزانے میں جہاں پھوٹی کوڑی بھی نہ تھی لاکھوں روپے جمع کردینا گھوڑے اسلحہ اور ہزارہا قلعہ شکن توپوں کا ذخیرہ کردینا یا عوام کا بڑی تعداد میں خود اس لڑائی میں شریک ہوجانا یہی واضح کرتا ہے کہ اول تو عوام کے دلوں میں بہادر شاہ ظفر کا بے پناہ احترام تھا۔ دوسرے وہ ان کو ہی حقیقی حکمراں دیکھنا چاہتے تھے اور ان کے زیراقتدار اپنے آپ کو اور اپنی جملہ آزادیوں کو محفوظ سمجھتے تھے۔ یہ مسلم اکثریت پر مشتمل چند ہزار فوجیوں کی بغاوت نہ تھی بلکہ پوری قوم خصوصاً مسلمانوں کا وہ جذبہ حریت تھا جس کا لاوا ابتداء میرٹھ میں ضرور پکا تھا مگر جب ابلنے پر آیا تو کچھ عرصہ کے لئے انگریزوں کے اثر واقتدار کو بھی بہالے گیا اگر سکھوں اور گورکھوں نے پنجاب سے انگریزوں کی مدد نہ کی ہوتی تو یقیناً ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کے قدم ہندوستان سے اکھڑ گئے ہوتے۔

بہادر شاہ ظفر کا اس جہاد آزادی میں یوں بھی اہم رول رہا کہ انہوں نے دوسروں کی طرح ضمیر فروشی اور قوم سے غداری کرکے سلطنت اور منصب حاصل کرنے کے بجائے مجاہدین کی سربراہی قبول کی اور اس کی پاداش میں نہ صرف اپنے جگرگوشوں کے سروں کا تحفہ قبول کیا بلکہ جلاوطنی کی زندگی کے بعد غریب الوطنی کی موت بھی برداشت کی۔

اس لڑائی میں بہادر شاہ کے علاوہ بیگم زینت محل حضرت محل ولی عہد برجیس قدر جھانسی کی رانی، تاتیا ٹوپے، جنرل بخت خاں، جنرل عظیم اللہ خاں، مولانا احمد شاہ مدارسی اور مولوی لیاقت علی خاں بہادر کا نمایاں حصہ رہا اور اس کے اہم مراکز ابتداء میں مبارکپور، کلکتہ اور میرٹھ رہے پھر اس کا زیادہ زور دہلی، بریلی، جھانسی، لکھنؤ اور کانپور میں نظر آیا مشہور انگریز مورخ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کے الفاظ میں: ''۱۸۵۷ء کے انقلاب کی بھٹی ان لوگوں کی سلگائی ہوئی تھی جو شاہ ولی اللہ کے نظریات کو عملی جامہ پہنا کر اس کی صداقت کو پروان چڑھانے کا تہیہ کئے بیٹھے تھے۔''

ہنٹر کی اس تحقیق کی رو سے ابتداء سے 'رولٹ کمیٹی' کی اشاعت تک ہندوستان کی تمام باغیانہ سرگرمیاں اور حریت پسندوں کے اقدامات کی ذمہ دار اس تحریک کو تصور کیا گیا۔ جس کے افراد شاہ ولی اللہ کے سلسلہ کی درسگاہوں کے متعلم اور ان کے فلسفہ حیات کے علمبردار تھے۔ مولانا احمد اللہ شاہ، قاضی عنایت علی، نواب جھجھر، صوبہ الہ آباد کے گورنر مولانا ولایت علی، بہادر کے گورنر مولانا یحییٰ علی، مولانا امام فضل حق، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا ضامن علی شہید، مولانا رشید احمد گنگوہی اور دیگر بے شمار مسلمان اسی سیاسی نظریے اور تحریک کے پروردہ تھے جو شاہ ولی اللہ کے فلسفہ پر استوار تھی۔

۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں مستحکم ہوچکا تھا مگر تمام ہندوستانیوں اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں میں غلامی کے اس جوئے کو اتار پھینکنے کی تڑپ جاری تھی اور مسلمان اپنی خفیہ علانیہ سرگرمیوں سے اس جدوجہد میں اتنے سرگرداں تھے کہ ملک کا کوئی دوسرا فرقہ ان کا ہمسر وساتھی نظر نہیں آتا تھا۔ درحقیقت مسلم قیادت اور اس کا مذہبی بازو معرکہ بالاکوٹ کے بعد قطعی ختم یا پارہ پارہ نہیں ہوا تھا بلکہ باغستان کے پہاڑی مرکز میں اس کا باقاعدہ دفتر اور تنظیم موجود تھی اور اس کے اہم رہنما مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ہندوستان کے مختلف شہروں سے نہ صرف اس کی نگرانی کررہے تھے بلکہ اس کو بہتر طور پر فعال بھی بنارہے تھے۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کی تحقیق بھی یہی ہے کہ ''۱۸۶۸ء میں ستلانہ مرکز پر ۹۰ ہزار کا لشکر دادِ شجاعت دے رہا تھا جس کے خوردونوش اور ضروریات زندگی کی فراہم اسی خفیہ تنظیم کے سپرد تھی جس کے ایک اہم رہنما مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔''

۱۹۱۸ء کے بعد ہندوستانی مسلمان بالخصوص علماء کرام نے جن تحریکات کو اپنے خون سے سینچا ان میں 'ریشمی رومال' اور 'خلافت تحریک' سب سے اہم ہیں۔ 'ریشمی رومال' ایک زیرزمین تحریک تھی جس کے خفیہ مراکز ہندوستان کے ناندیر، پانی پت، لاہور، کراچی، اتمان زئی، امروٹ، ترنگ زئی، ڈھاکہ اور آسام میں کئی مقامات پر قائم تھے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن اس کے سربراہ تھے اور دوسرے اہم ارکان میں مولانا عبیداللہ سندھی، مولوی عزیز گل، مولوی احمد اللہ پانی پتی، مولانا ظہور محمد سہارنپوری وغیرہ تھے۔ اس تحریک کے ذریعہ ان علماء کرام نے انگریزوں کے خوفناک شکنجے میں جکڑے ہوئے ہندوستان میں خفیہ مراسلت اور رازدارانہ نام وپیام کا کام انجام دیا۔ پھر 'جلیانوالا باغ' سانحہ سے چار سال قبل مولانا عبیداللہ سندھی کی جدوجہد سے مجاہدین کا ایک موثر مرکز افغانستان میں قائم ہوا اور انقلاب پسندوں میں ایک نئی روح دوڑ گئی نیز 'جلاوطن' حکومت کے قیام کیلئے انقلابیوں کے تعلقات بین الاقوامی سطح پر استوار ہوگئے۔

اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں 'موقتۃ الہند' کے نام سے جو جلاوطن حکومت قائم کی گئی اس کے عہدیداروں میں صدر راجہ مہندر پرتاپ، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ بھوپالی، وزیر داخلہ مولانا عبیداللہ سندھی اور وزیر خارجہ مولانا منصور (باقی صفحہ ۱۴ پر)

۱۹ویں صدی کی آخری دہائیوں میں انگریزوں کا اقتدار ہندوستان میں مستحکم ہوچکا تھا مگر تمام ہندوستانیوں اور سب سے بڑھ کر مسلمانوں میں غلامی کے اس جوئے کو اتار پھینکنے کی تڑپ جاری تھی اور مسلمان اپنی خفیہ علانیہ سرگرمیوں سے اس جدوجہد میں اتنے سرگرداں تھے کہ ملک کا کوئی دوسرا فرقہ ان کا ہمسر وساتھی نظر نہیں آتا تھا۔ درحقیقت مسلم قیادت اور اس کا مذہبی بازو معرکہ بالاکوٹ کے بعد قطعی ختم یا پارہ پارہ نہیں ہوا تھا بلکہ باغستان کے پہاڑی مرکز میں اس کا باقاعدہ دفتر اور تنظیم موجود تھی۔

عالمی خبریں

یورپی یونین اور برطانیہ کا طالبان کی حکومت تسلیم نہ کرنے کا اعلان

برطانیہ کے وزیر خارجہ ڈومنیک راب نے کہا ہے کہ برطانیہ اصولی طور پر طالبان کی حکومت کو تسلیم نہیں کرے گا، جبکہ یورپی یونین نے کہا ہے کہ طالبان کو تسلیم کیے بغیر لوگوں کے انخلا کے لیے رابطہ رکھیں گے۔ عرب نیوز کے مطابق پاکستان کے دوروزہ دورے کے دوران برطانوی وزیر خارجہ کا وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس میں کہنا تھا کہ طالبان کی حکومت کے ساتھ تعلقات بنانے سے پہلے دنیا کو دیکھنا چاہیے کہ طالبان اپنی یقین دہانیوں پر کتنا عمل کرتے ہیں۔ طالبان کے افغانستان پر کنٹرول کے بعد دنیا ان کے ساتھ رابطے، کمزور لوگوں کے انخلا اور انسانی بحران سے بچنے کے طریقوں پر غور کررہی ہے۔ اس صورتحال میں پاکستان کا کردار بہت اہم ہے۔ مغربی ممالک کے اعلیٰ حکام پاکستان کے دورے کررہے ہیں یا فون پر پاکستانی قیادت کے ساتھ رابطے میں ہیں۔ برطانوی وزیر خارجہ نے کہا کہ ہم ان کی یقین دہانیوں کا جائزہ لیں گے اور دیکھیں گے کہ وہ افغانستان پر کس طرح حکومت کرتے ہیں۔ ہمیں افغانستان سے نکلنے کے لیے محفوظ راستے، ملک کو دہشت گردوں کی آماجگاہ نہ بننے اور امدادی کاموں کے لیے دنیا کے مختلف ممالک پر مشتمل بڑے گروپ کی ضرورت ہے۔

ملا برادر نئی افغان حکومت کے سربراہ ہوں گے

طالبان کے شریک بانی اور سیاسی دفتر کے سربراہ ملا برادر نئی افغان حکومت کی قیادت کریں گے۔ برطانوی خبررساں ادارے روئٹرز کے مطابق طالبان کے ذرائع نے اس بات کی تصدیق کی ہے۔ طالبان کی نئی حکومت کا اعلان جلد ہی متوقع ہے جبکہ اس کے جنگجو کابل کے شمال میں وادی پنج شیر میں لڑرہے ہیں۔ طالبان کے ترجمان ذبیح اللہ مجاہد نے گذشتہ رات اردو نیوز سے بات کرتے ہوئے کہا کہ نئی حکومت کے اعلان کی تاریخ اور وزرا کے ناموں کا ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا' نئی حکومت کی سب سے فوری ترجیح زوال پذیر معیشت کی بحالی ہونی چاہیے جسے خشک سالی اور جنگ نے شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس جنگ میں اب تک ایک اندازے کے مطابق دولاکھ ۴۰ ہزار افغان ہلاک ہوئے ہیں۔ طالبان کے کم سے کم تین ذرائع نے بتایا ہے کہ ملا برادر کی زیر قیادت نئی حکومت میں طالبان کے بانی ملا عمر کے صاحبزادے ملا محمد یعقوب اور شیر محمد عباس ستانک زئی کو بھی اہم عہدے دیے جائیں گے۔

طالبان نے امریکی فوجی گاڑیاں ایران کے حوالے کیں

طالبان کی جانب سے ایرانی حکام کو امریکی فوجی گاڑیوں کی فراہمی کے بعد قافلے کو تہران کی جانب جاتے ہوئے فلمایا گیا۔ دفاع اور سکیورٹی کے امور کے ماہر جوناتھن کٹسن نے عرب نیوز کو بتایا کہ ان گاڑیوں کا نقصان امریکہ کے لیے ایک اور شرمندگی ہے، اور اگر یہ گاڑیاں قیمتی تکنیکی معلومات نکالنے یا عراق میں امریکی فورسز کے روپ میں استعمال ہوتی ہیں تو یہ مستقبل میں نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس بارے میں واشنگٹن کی انٹیلیجنس ایجنسیوں سے سنجیدہ سوالات ہونے چاہیے جنہوں نے ایسی صورتحال کے بارے میں غلط سوچا۔ یہ پروپیگنڈا اس وقت سامنے آیا جب ۳۱ اگست کو افغانستان سے امریکی انخلا کے بعد طالبان کابل میں امریکی سازوسامان اور آلات کے ساتھ پریڈ کرتے نظر آئے۔

قرآن کریم کی صحیح تلاوت ہے اس کا حق

تحریر: حافظ محمد ساجد انور

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری الہامی کتاب ہے۔ ہر مسلمان کا قرآن کریم پر غیر متزلزل ایمان ہے۔ قرآن کریم کے ساتھ عقیدت اور وابستگی ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ عقیدت کے مختلف مظاہر معاشرے میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کہیں ختم قرآن کے ذریعے اس سے فیض حاصل کیا جاتا ہے تو کہیں قرآن کریم کو گھر اور کاروبار کی خیر و برکت کے لیے پڑھا اور رکھا جاتا ہے۔ مختلف معاشرتی مسائل میں اس سے کسب فیض کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ مثلاً قرآن پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی جاتی ہے۔ الغرض اپنے اپنے ظرف اور حالات کے مطابق لوگ قرآن کریم کے ساتھ عقیدت، محبت اور وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔

کلام اللہ کے ساتھ عقیدت، محبت اور وابستگی کے یہ جذبات اپنی جگہ لیکن قرآن کریم کا نزول صرف ان امور کے لیے نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی اس عظیم کتاب کے اہم حقوق ہیں جو ہر مسلمان پر عائد ہوتے ہیں۔ ان حقوق میں قرآن کریم پر ایمان لانا، اس کی درست تلاوت کرنا، قرآن میں غور و فکر کرنا، اللہ تعالیٰ کی اس عظیم کتاب کے احکام پر عمل پیرا ہونا، قرآن کریم کی تبلیغ اور تنفیذ کے لیے کوشش کرنا شامل ہے۔

یہاں قرآن کے صرف ایک حق یعنی تلاوتِ قرآن کے حوالے سے چند گزارشات پیش ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں: ”اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔“ (المزمل:۴)

قرآن کریم کو ٹھہر ٹھہر کر ترتیل کے ساتھ پڑھنے سے دل میں سرور اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن کریم کا پسندیدہ طریقہ یہ بھی ہے کہ تلاوت خوش الحانی سے کی جائے۔ الفاظ کو ٹھیک طریقے سے ادا کیا جائے تاکہ سننے والا اچھی طرح سن اور سمجھ سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں حضرت ام سلمہؓ نے بیان کیا کہ آپؐ کی تلاوت کا ایک ایک حرف واضح ہوتا تھا۔

تلاوت کے آداب

قرآن کریم کو تیز تیز رواں دواں نہ پڑھو بلکہ آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ زبان سے ادا کرو اور ایک ایک آیت پر ٹھہرو تاکہ ذہن پوری طرح کلام الٰہی کے مفہوم و مدعا کو سمجھے اور اس کے مضامین سے متاثر ہو۔ جہاں اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے تو اس کی عظمت و ہیبت دل پر طاری ہو۔ جہاں اس کی رحمت کا بیان ہے تو دل جذباتِ تشکر سے لبریز ہو جائے، جہاں اس کے غضب اور اس کے عذاب کا ذکر ہے تو دل پر اس کا خوف طاری ہو۔ جہاں کسی چیز کا حکم ہے یا کسی چیز سے منع کیا گیا ہے تو سمجھا جائے کہ کس چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کس چیز سے منع یا گیا ہے۔ غرض یہ کہ قرأت محض قرآن کے الفاظ کو زبان سے ادا کر دینے کے لیے نہیں بلکہ غور و فکر اور تدبر کے ساتھ ہونی چاہیے۔

قرآن کریم کی تلاوت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس دس نیکیوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”جو شخص کتاب اللہ کی تلاوت کرے اسے ہر حرف کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی، ہر نیکی دس نیکیوں کے برابر ہوگی، میں الم ایک حرف نہیں کہتا بلکہ الف الگ حرف ہے، لام الگ اور میم الگ حرف ہے۔“ (ترمذی)

احادیث مطہرہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا معمول بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے بھی قرآن کی تلاوت سنتے تھے۔ آپؐ نے درست تلاوت اور خوش الحانی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنے کا حکم دیا لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کو معمول بنانا چاہیے۔ قرآن کریم کی تلاوت باعث اجر و ثواب بھی ہے اور روح کی غذا بھی۔ ہم سب کو قرآن کی تلاوت ترتیل و تجوید کے ساتھ کرنی چاہیے۔ اگر اس میں کوئی کمی اور کوتاہی ہو تو سیکھنے اور سیکھتے رہنے کی کوشش ضروری ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب میں ارشاد فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت شد و مد کے ساتھ ہوتی تھی (پھر انھوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو پڑھ کر سنایا اور اللہ اور الرحمٰن اور الرحیم سب کو مد کے ساتھ پڑھا)“ (بخاری)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاں صحیح تلفظ اور درست ادائیگی کے ساتھ تلاوت کرنا منقول ہے وہیں کئی مواقع پر آپؐ نے اس حوالے سے تصحیح کی تلقین بھی فرمائی چنانچہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا۔ اس نے تلاوت میں کسی جگہ غلطی کی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”اپنے بھائی کی رہنمائی کرو۔“ (مستدرک حاکم)

قرآن کریم کی درست تلاوت کے لیے تجوید کے ضروری قواعد سے آگہی از حد ضروری ہے تاکہ کہیں حروف کی تبدیلی کی وجہ سے معانی و مفاہیم کی تبدیلی واقع نہ ہو جائے۔ اسی طرح معنی و مفہوم کی تبدیلی کبھی بیجا وقف کرنے (ٹھہرنے) یا بلاضرورت ملا کر پڑھنے کے نتیجے میں بھی واقع ہوتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سورۃ المزمل، آیت ۴ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”لغت کی رو سے ترتیل کے معنی ہیں واضح اور صاف پڑھنا اور شریعت میں ان چیزوں کی رعایت رکھنے کا نام ترتیل ہے۔“

- ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کیا جائے تاکہ حرف کی آواز دوسرے سے بالکل جدا رہے اور 'ط' کی جگہ 'تا' اور 'ضا' کی جگہ 'ظا' ادا نہ ہو۔
- وقوف (تلاوتِ قرآن کے دوران رُک جانے اور ٹھہرنے) کی رعایت تاکہ وصل و قطع (حروف ایک دوسرے سے ملانے اور نہ ملانے کا عمل) بے موقع ہو کر کلام کے مطلب میں تبدیلی کا باعث نہ ہو۔
- آواز کو ذرا بلند کرنا تاکہ قرآن کے الفاظ زبان سے کان تک اور وہاں سے دل تک پہنچ کر دل میں شوق اور خوف کی کیفیت پیدا کریں۔ آواز کو عمدہ بنانا تاکہ اس میں دردمندی پائی جائے اور دل پر جلدی اثر کرے۔
- تشدید و مد کا ان کے موقعوں پر پورا لحاظ رکھنا کیونکہ ان دونوں سے کلامِ الٰہی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔
- دوزخ اور عذاب کے خوف کی اور جنت اور اس کی نعمتوں کے شوق کی آیتیں پڑھے یا سنے تو وہاں ذرا ٹھہرے اور دوزخ سے پناہ مانگے اور جنت کا سوال کرے۔ جن آیتوں میں دعا یا ذکر کا حکم ہو تو انھیں دہرانے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے جیسے 'رب زدنی علما' اے میرے رب میرے علم میں اضافہ فرما، آمین۔

گویا قرآن صحیح پڑھنے کے لیے مقررہ اصولوں کے مطابق قرآن کی قرأت غور اور توجہ سے سنے اور اسی طرح خود تلاوت کرنے کی کوشش کرے۔ یاد رہے کہ درست تلاوت نہ صرف باعث اجر و ثواب ہے بلکہ ہر مسلمان پر یہ فرض بھی عائد ہوتا ہے کہ وہ قرآن کی درست تلاوت کے اصول سیکھے اور ان اصولوں کے مطابق تلاوت کلام پاک کو اپنا معمول بنائے۔□□

احادیث میں نبی اکرم ﷺ کی تلاوتِ کا معمول بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے بھی قرآن کی تلاوت سنتے تھے۔ آپ نے درست تلاوت اور خوش الحانی کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرنے کا حکم دیا لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی دیگر مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کو معمول بنانا چاہیے۔ قرآن کریم کی تلاوت باعث اجروثواب بھی ہے اور روح کی غذا بھی۔ ہم سب کو قرآن کی تلاوت ترتیل و تجوید کے ساتھ کرنی چاہیے۔ اگر اس میں کوئی کمی اور کوتاہی ہو تو سیکھنے اور سیکھتے رہنے کی کوشش ضروری ہے۔

بچوں کا گوشہ

تعلیم کی اہمیت

ماسٹر صاحب تعلیم ہمارے واسطے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے باپو نے فرمایا ہے۔ گل زری نے اپنی اُردو کی کتاب کھول کر بڑے جوش سے میرے سامنے کی جس کے پہلے صفحے پر تعلیم کے حوالے سے باپو جی مہاتما گاندھی کا فرمان موجود تھا۔ اس بچے نے تو مجھے لاجواب کر دیا تھا۔ اس کے سرخ و سفید پھولے گالوں پر تھپڑ کا نشان ابھی تک ثبت تھا۔ میں نے الجھے ذہن کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ نہ جانے گل زری کو مجھ میں استادوں والی ایسی کیا بات نظر آئی کہ وہ مجھے ماسٹر صاحب کہنے لگا۔ ایک بار فون پر جب میں نے اپنے والد کو بتایا کہ مجھے ماسٹر صاحب کا عہدہ مل گیا ہے تو وہ میری شرارت کو نہ سمجھ سکے اور خفا ہو کر کہنے لگے کہ بیٹا جب تمھیں اسکول ماسٹر ہی بننا تھا تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ خیر یہ تو مذاق کی بات تھی۔ آتے ہیں گل زری کی طرف۔ اس وقت ہم ایک پہاڑ کی ڈھلان پر تھے۔ گل زری کی رفتار مجھ سے تیز تھی حالانکہ اس کے پیروں میں دو پٹی والی چپلیں تھیں جبکہ میں نے آرام دہ جوگرز پہن رکھے تھے۔ گل زری میرا ننھا گائڈ تھا۔ امتحان کی طویل ذہنی تھکن اُتارنے کے لیے میں نے شمالی علاقہ جات کا رُخ کیا۔ یہ وادی صنوبر کے درختوں سے آراستہ تھی اور چاروں طرف سے سرمئی پہاڑوں سے گھری تھی۔ جب ایک لمبے سفر کے بعد کاندھے پر بیگ لٹکائے وادی میں پہنچا تو قدرتی حسن دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ گل زری ایک یتیم بچہ تھا۔ اس کی ماں اور دو دیگر بہن بھائیوں کی کفالت اس کے چچا کر رہے تھے مگر تعلیم دلانا ان کی استطاعت سے باہر تھا۔ وہ تعلیم میں گل زری کی دلچسپی سے سخت ناراض ہوتے تھے۔ گل زری چچا کا ہاتھ بٹانے کے لیے گائڈ کے فرائض بھی انجام دیتا اور کبھی وادی کے اکلوتے بازار میں بوٹ پالش کا سامان لیے چکر لگاتا پھرتا۔ مجھے پہلی ہی نظر میں یہ ننھا گائڈ پسند آیا۔ جلدی ہی اس نے مجھے اپنے تمام حالات بتا دیئے تھے۔ گل زری کے ننھے وجود میں صحیح معنوں میں علم کی پیاس اور طلب موجود تھی۔ وہ بہت کچھ جاننا اور سیکھنا چاہتا تھا۔ وہ مجھ سے ڈھیروں سوال کرتا، ستارے کیوں جھلملاتے ہیں، چاند کی روشنی ٹھنڈی کیوں ہوتی ہے، سمندر کا پانی کھارا اور دریاؤں کا پانی میٹھا کیوں ہوتا ہے۔ میں نے اعلیٰ تعلیم ڈگریوں کے لیے حاصل کی جبکہ گل زری کے لیے تعلیم حصولِ علم کا ذریعہ ہے۔ اس کے شوق کو دیکھ کر میں اس کے سوالوں کا حتی المقدور جواب دیتا۔ مجھے محسوس ہوتا کہ میں نے اسے بچوں کے کئی رسالے دلائے۔ اس کی آنکھوں کی چمک اور دلی خوشی نے مجھے نہال کر دیا۔ آج جب گل زری مجھے لینے کے لیے ہوٹل آیا تو اس کے گالوں پر سرخ نشان ثبت تھا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ چچا نے اسے اسکول کا ہوم ورک کرتے دیکھ لیا تھا جس پر وہ طیش میں آ گئے۔ گل زری تم اپنے چچا کی بات مان کیوں نہیں لیتے۔ معمولی تعلیم حاصل کر کے تم کیا کر لوگے؟ تمھیں اعلیٰ نوکری تو ملنے سے رہی، میں نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے گل زری کو سمجھانا چاہا۔ ماسٹر صاحب تعلیم ہمارے واسطے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ یہ ہم نہیں کہتے باپو نے فرمایا ہے۔ یہ الفاظ سنے تو میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ میں تو اسے سمجھانے چلا تھا مگر اس کے ان الفاظ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ میں کافی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اپنی سوچ پر پختہ ارادہ باندھ لیا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ میٹرک تک اس کے تعلیمی اخراجات میں آسانی سے برداشت کر سکتا ہوں، پھر یقیناً گل زری کے چچا کو اس کی تعلیم پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ پہاڑی راستوں پر تو وہ لوگوں کا رہنما تھا مگر زندگی کی طویل شاہراہ پر میں نے اس کی رہنمائی کا ارادہ کر لیا۔

عرشِ بریں

مولانا عثمان احمد صاحبؒ قاسمی جونپوری

اس وقت مدینے کی سحر دیکھ رہا ہوں
ذرّے نہیں تابندہ گہر دیکھ رہا ہوں

جس گھر کی فضیلت ہے فزوں عرش بریں سے
سرکار دوعالم کا وہ گھر دیکھ رہا ہوں

رُو رُو کے سنایا ہے جو فرقت کا فسانہ
اب اپنی دعاؤں میں اثر دیکھ رہا ہوں

جبریلؑ جہاں آتے تھے قرآن سنانے
وہ مسجد و محراب وہ دَر دیکھ رہا ہوں

پرنور وہ کوچے جہاں سرکار چلے ہیں
اس وقت وہی راہ گذر دیکھ رہا ہوں

جالی کی طرف آنکھ نہیں اُٹھتی ادب سے
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

آنکھوں میں ہے اب گنبدِ خضریٰ کی تجلّی
بے نور ہیں کیوں شمس و قمر دیکھ رہا ہوں

نادم ہوں کہ انبار گناہوں کا ہے سر پر
اس پر یہ مدینے کا سفر دیکھ رہا ہوں

وہ جس کیلئے ہند میں آنکھیں تھیں ترستی
وہ نور یہاں آٹھ پہر دیکھ رہا ہوں

اللہ رے سرکار کے دربار کی عظمت
خم حضرت جبریلؑ کا سر دیکھ رہا ہوں

اخبار کا ہر صفحہ مقدس ہے یہاں پر
مکّے کی مدینے کی خبر دیکھ رہا ہوں

سودائے جنوں کم نہ ہوا اور فزوں ہے
بیتاب وہی قلب و جگر دیکھ رہا ہوں

الفاظ میں عثمانؔ بھلا کیسے بیاں ہو
جو خاص عنایت کی نظر دیکھ رہا ہوں

گوشۂ خواتین

گھر خواتین کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے

جب ہم لفظ گھر کہتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ چاروں اطراف مسرتوں کے جگنو جھلملانے لگے ہیں۔ گھر دراصل مسکن ہے آسودگیوں کا، آرزوؤں کی تکمیل کا، ایک تحفظ بھرے احساس کا، گھر محض گھر نہیں ہوتا، ہر فرد کی ایک چھوٹی سی کائنات ہوتی ہے۔ مٹی، گارے اور اینٹوں سے بنے ایک مکان کو گھر جیسا معتبر نام دینا کوئی آسان بات نہیں، اس کے پیچھے محنتوں، قربانیوں کی ایک پوری کھیپ ہوتی ہے اور یہ کھیپ کوئی اور نہیں ایک عورت تیار کرتی ہے جو اپنی محبت کی مہک سے گھر کی فضاؤں کو مہکاتی ہے اور اپنے سچے جذبوں کی دمک سے گھر کے در و دیوار پر اُجالا بکھیر دیتی ہے۔ کیا آپ کا شمار بھی اُن خواتین میں ہوتا ہے کہ جن کے گھروں کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ایک خوشگوار اور ٹھنڈک بھرا احساس لوگوں کے اذہان کو بیدار سا کر دیتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو آپ یقیناً ایک سلیقہ مند اور باشعور خاتون ہیں۔ معاشرے میں آپ کی عزت ہوگی اور آپ کے گھر والے بھی بہت پرسکون و پراعتماد ہوں گے۔

جن خواتین کے گھر گندے ہوتے ہیں خدا کی رحمت بھی اُن سے دور ہوتی ہے۔ ایسے گھروں میں بے برکتی اور نت نئی بیماریوں کا راج ہوتا ہے۔ بعض خواتین کے نزدیک اعلیٰ زندگی کا معیار بڑا گھر اور اُس میں بھرا قیمتی ساز و سامان ہے۔ یہ تصور بالکل غلط ہے۔ گھر چھوٹا ہو یا بڑا، عورت کی صلاحیتوں اور اُس کی ذہنی کیفیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ بڑے بڑے گھروں کی بلند و بالا باتیں کرنے والی خواتین گھر کو نوکروں کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتی ہیں۔ اب ان کے بچے اپنا یونیفارم اور کتابیں، کاپیاں گھر کے کونوں کھدروں میں ڈھونڈیں یا شوہر صاحب اپنی ٹائی اور موزوں کے لیے سرگرداں و پریشان رہیں اُن کی بلا سے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ ایسے گھروں کے مکینوں کے مزاج برہم رہتے ہیں، وہ اپنے دوست احباب کو گھر لانے سے کتراتے ہیں یا یوں سمجھیں خوداعتمادی ان کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔

ایک عورت کی پہلی ترجیح ہمیشہ اپنا گھر ہونا چاہیے۔ اُس کا فرض ہے کہ وہ اپنے گھر کی فضاؤں کو پاکیزہ رکھے۔ اسے ایک نمائشی گھر بنانے کے بجائے آرام دہ اور پرسکون بنائے۔ ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھنے کی عادت خود بھی ڈالے اور دوسروں کو بھی اس کا عادی بنائے۔ گھر چھوٹا ہو تو غیر ضروری سامان سے چھٹکارا حاصل کرے، پھر وقتاً فوقتاً گھر کی سجاوٹ میں تبدیلی بھی ایک نیا اور خوش کن تاثر پیدا کر دیتی ہے، نیز گھر کو پودوں اور پھولوں سے سجانا ہرگز نہ بھولیں کہ یہ ماحول کو تازگی بھرا احساس دیتے ہیں۔ ذرا سوچیں کتنا اچھا لگے گا جب سارے دن کے تھکے ہارے شوہر، بھائی یا گھر کے دوسرے افراد گھر لوٹیں تو ایک آرام دہ اور صاف ستھرا گھر ان کا منتظر ہو۔ ان کے تھکے تھکے اعصاب پل بھر میں سکون پائیں۔ یہ ہی نہیں آپ کا سگھڑاپا آپ کی بیٹیوں کی بھی تربیت کرے گا اور پھر وہ بھی آپ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنے گھروں کو گوشۂ عافیت بنا دیں گی اور یہی اُن کی کامیاب زندگی کی ضمانت ہے۔

صفحہ تحفظ ختم نبوت

مرزا غلام احمد قادیانی کی مراقی نبوت کے خدوخال ۸

خدمت گار عورتیں
پچاس مردوں کی طاقت

اس کے بعد مرزا نے الہامی دوا تیار کی اور اپنے نامرد دوست حکیم نورالدین کو بھی یہ دوا کھلائی، مرزا تو اس دوا سے نامرد سے مرد ہوگئے لیکن حکیم جی کو یہ دوا راس نہیں آئی اور وہ نامرد ہی رہے، یہ بھی لطف کی بات ہے کہ مرزا کو اس دوا سے پچاس مردوں کی طاقت مل گئی، چنانچہ فرماتے ہیں۔ ''میں اس زمانہ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک بچہ کی طرح تھا اور پھر اپنے تئیں خداداد طاقت میں پچاس مرد کے قائم مقام دیکھا۔'' (حوالہ بالا)

پچاس مردوں کی طاقت والے کے پاس بیوی صرف ایک تھی، پریشان رہتے تھے اور جب بیوی اُمید سے ہوتی تھی تو دوا کا استعمال روک دیتے تھے۔ ''چونکہ دوا ختم ہوچکی ہے اور میں نے زیادہ زیادہ کھالی ہے۔ اس لیے ارادہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہیے تو دوبارہ تیار کی جائے لیکن چونکہ گھر میں اُمید ہونے کا کچھ گمان ہے جس کا میں نے ذکر بھی کیا تھا۔ ابھی تک وہ گمان پختہ ہوتا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو درست کرے۔ اس جہت سے جلد تیار کرنے کی چنداں ضرورت میں نہیں دیکھتا۔ خاکسار غلام احمد از قادیان ۱۹ر فروری فروری ۱۸۸۷ء (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر ۲ ص:۱۴)

> خدمت گار عورتوں کی تعداد تو ابن غلام احمد نے نہیں بتائی البتہ جمع کا استعمال کثرت کے لیے کافی ہے کہ بہت عورتیں خدمتگار تھیں اور وہ بھی عام عورتیں جو غربت و افلاس کی ماری اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے اندرون خانہ کام کیا کرتی ہیں۔

عجیب الہامی دوا تھی کہ پچاس مردوں کی طاقت دوا کے استعمال تک باقی رہتی تھی اور دوا ختم ہوئی پچاس کون کہے ایک کی بھی نہیں رہ جاتی تھی۔ پھر یہ کہ ایک بیوی کے لیے اتنی طاقتور دوا کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کہیں اس کی گرمی سے مراق بڑھتا تو نہیں تھا؟ تیز گرم دوائیں خفقان اور مراق میں اضافہ کرتی ہیں۔ مرزا کو مراق کی ضرورت بیش از بیش تھی ورنہ مراقی نبوت کے بال و پر کمزور ہوجاتے اور الہامات کی رفتار بھی سست پڑجاتی۔

لیکن ذرا ٹھہریئے اور دیکھئے کہ مرزا کے خدام کی فہرست میں عورتیں تو نہیں ہیں؟ اگر ہیں تو ان کی خدمات کیا ہیں؟ پہلے خدمتگار عورتوں کا ثبوت۔ ''اس بات کو اندرون خانہ کی خدمتگار عورتیں جو عوام الناس سے ہیں اور فطری سادگی اور انسانی جامہ کے سوا کوئی تکلف اور تصنّع زیرکی اور استنباطی قوت نہیں رکھتیں بہت عمدہ طرح محسوس کرتی ہیں۔'' (سیرۃ المہدی جلد اوّل ص:۲۷۶، از مرزا بشیر احمد قادیانی)

خدمت گار عورتوں کی تعداد تو ابن غلام احمد نے نہیں بتائی البتہ جمع کا استعمال کثرت کے لیے کافی ہے کہ بہت عورتیں خدمتگار تھیں اور وہ بھی عام عورتیں جو غربت و افلاس کی ماری اپنا اور بچوں کا پیٹ بھرنے کے لیے اندرون خانہ کام کیا کرتی ہیں۔ وہ مالکوں کی ہوس کا شکار بھی ہوجاتی ہیں۔ شاید باید ایسا کوئی گھر ملے گا جو اس گناہ میں لت پت نہ ہو، زمینداروں، جاگیرداروں کو یوں بھی ''داشتائیں'' رکھنے کا شوق تھا، تعداد حیثیت کے مطابق ہوتی تھی، اپنے پاس پڑوس کے عمر رسیدہ لوگوں سے یہ داستان آج بھی سنی جاسکتی ہے۔ زمینداری اور جاگیرداری کے ساتھ اگر 'تقدس' کا ڈھونگ بھی ہے تو گھر کی غریب خادماؤں تک یہ ہوس محدود نہیں رہتی، شریف زادیاں بھی آسانی سے شکار ہوجاتی ہیں۔ اس کا ایک منظر یہ بھی ہے۔

''ڈاکٹر سیّد عبدالستار شاہ صاحب نے مجھ سے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ مجھ سے میری لڑکی زینب بیگم نے بیان کیا کہ میں تین ماہ کے قریب حضرت اقدس (مرزا قادیانی) کی خدمت میں رہی ہوں، گرمیوں میں پنکھا وغیرہ اور اسی طرح کی خدمت کرتی تھی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا کہ نصف رات یا اس سے بھی زیادہ مجھ کو پنکھا ہلاتے گزر جاتی تھی۔ مجھ کو اس اثناء میں کسی قسم کی تھکان و تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی بلکہ خوشی سے دل بھر جاتا تھا، دو دفعہ ایسا موقع آیا کہ عشاء کی نماز سے لے کر صبح کی اذان تک مجھے ساری رات خدمت کرنے کا موقعہ ملا۔ پھر بھی اس حالت میں مجھ کو نہ نیند نہ غنودگی اور نہ تھکان معلوم ہوئی بلکہ خوشی اور سرور پیدا ہوتا تھا۔ اسی طرح جب مبارک احمد صاحب بیمار ہوئے تو مجھے ان کی خدمت کے لیے بھی کئی راتیں گزارنی پڑیں۔ تو حضور نے فرمایا کہ زینب اس قدر خدمت کرتی ہے کہ ہمیں اس سے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ اور آپ کئی دفعہ اپنا تبرک مجھے دیا کرتے تھے۔ (سیرۃ المہدی جلد سوئم ص:۲۷۲، از مرزا بشیر احمد قادیانی)

تحریر: مولانا عبدالحفیظ رحمانی

کئی زینب

ایک ہی زینب کیا اور نہ جانے کتنی زینب ہوں گی جنھوں نے مرزا کی خدمت رات بھر جاگ کر کی ہوگی اور مرزا کے ''تبرکات'' حاصل کئے ہوں گے، سرور تو تبرک ہی نے پیدا کیا ہوگا۔ اللہ جانے تبرک نے اپنے اثر ڈالا یا کیا سبب بنا کہ زینب پر بھی مراق کے دورے پڑنے لگے، زینب کے والد کا تحریری بیان ہے کہ: ''ڈاکٹر عبدالستار شاہ صاحب نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ میری لڑکی زینب بیگم نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ جب حضور (مرزا قادیانی) سیالکوٹ تشریف لے گئے تھے تو میں رعیہ سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان ایام میں مجھے مراق کا سخت دورہ تھا میں شرم کے مارے آپ سے عرض نہ کرسکتی تھی مگر میرا دل چاہتا تھا کہ میری بیماری سے کسی طرح حضور کو علم ہوجائے تاکہ میرے لیے حضور دُعاء فرمائیں۔ میں حضور کی خدمت کررہی تھی کہ حضور نے اپنے انکشاف اور صفائی قلب سے خود معلوم کرکے فرمایا۔ زینت تم کو مراق کی بیماری ہے۔ ہم دعا کریں گے۔'' (سیرۃ المہدی جلد سوئم ص:۲۷۵، از مرزا بشیر احمد قادیانی)

مرزا کی جلیبیاں

اس تحریر سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مراقیوں کو سکون مراقیوں کی صحبت سے ہی ملتا ہے۔ مراقی کو مراقی پہچانتا ہے۔ ''ولی را ولی می شناسد'' تو مشہور مقولہ ہے زینب جب مرزا کی خدمت میں مشغول تھی اسی وقت مرزا پر مراق کا انکشاف ہوا، خوب گزری ہوگی دو مراقیوں کے مل بیٹھنے پر۔ میں نے لکھا تھا کہ ایک ہی زینب کیا اور نہ جانے کتنی زینب خدمت میں رہی ہوں گی، دو ایک نام آپ بھی سن لیجیے، بابو شاہ دین کی اہلیہ، حافظ حامد علی کی بیوہ یہ رات کو پہرہ دیتی تھیں۔ میاں عبدالعزیز کی بیوی جلیبیاں کھلاتی تھی اور نہ جانے کتنی عورتیں مرزا صاحب کی خدمت میں رہا کرتی تھیں۔ ایک نیم دیوانی عورت تو مرزا کے کمرے میں مرزا کی موجودگی میں بالکل برہنہ نہایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ اسی حال میں ایک دوسری عورت کمرہ میں پہنچ گئی، اس نے ملامت کی لیکن اس کا جواب تھا ''اس کو کیا دکھائی دیتا ہے'' یہ بھی دیوانی وہ بھی دیوانہ۔ حقیقت یہ ہے کہ مراقی نبوت میں نامحرم عورتوں سے اختلاط اور خدمت لینا معیوب نہیں ہے۔ بلکہ اس اختلاط سے دراجابت کھل جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے اس سلسلہ کی عبارت:

سوال ششم: حضرت اقدس (مرزا قادیانی) غیر عورتوں سے ہاتھ پاؤں کیوں دبواتے ہیں؟

جواب: وہ نبی معصوم ہیں، ان سے مس کرنا اور اختلاط منع نہیں ہے بلکہ موجب رحمت و برکات ہے۔ (قادیانی اخبار الحکم قادیان جلد ۱۱ نمبر ۱۳ مورخہ ۷ر اپریل ۱۹۰۷ء)

اجنبی عورتوں سے اختلاط

بے قید مس و اختلاط کے جو نتائج سامنے آئے ہیں وہ ناگفتنی ہیں، مخلوط تعلیم، مرد و عورت کی تنہائی اور اس میں چھونے، پیر دابنے اور دیگر خدمات لینے میں تو کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ کیا کچھ ہوسکتا ہے، نفس تو سب کے ساتھ لگا ہوا، چاہے وہ جس درجے کا انسان ہو، کلیساؤں کی تاریخ کے اوراق آج بھی اسی طرح کھلے ہوئے ہیں جس طرح کل کھلے تھے، ان کلیساؤں میں تقدس کی آڑ لے کر راہبوں نے راہبات کے ساتھ کیا کیا؟ وہی جس کا نفس تقاضا کرتا ہے۔ آگ اور بارود کو ایک ساتھ کیا جائے تو آگ لگے گی، فطرت کے خلاف جنگ بھلا کب کامیاب ہوسکتی ہے لیکن مراقی نبوت میں مرد و زن کا اختلاط اور جسمانی خدمت لینا رحمت و برکات کا موجب ہے۔ مرزا صاحب تو یوں بھی پچاس مردوں کی قوت مردانگی سے سرشار تھے، نامردی کے زمانہ میں انھوں نے جب الہامی نسخہ 'زدجام عشق' استعمال کیا تھا اسی زمانہ میں پچاس مردوں کی طاقت آگئی تھی۔ اس نسخہ کی تفصیل سے پہلے یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ مرزا صاحب افیون کے رسیا اور دلدادہ تھے، اور فرمایا کرتے کہ افیون میں عجیب و غریب فوائد ہیں۔ چنانچہ مرزا افیون کھانے میں کبھی چوکے نہیں ہمیشہ مراق کو بڑھاوا دینے کے لیے افیون کھاتے رہے تاکہ مراقی نبوت میں نئے شگوفے اور نئے پھول کھلتے رہیں افیون مراقی نبوت کا جزو اعظم ہے چنانچہ ''زدجام عشق'' کے نسخہ میں بھی افیون جزو اعظم ہے۔ اس نسخہ کی تفصیل مرزا کے صاحبزادے مرزا بشیر احمد قادیانی کی زبانی سنیے: ''ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حافظ حامد علی صاحب خادم حضرت مسیح موعود بیان کرتے تھے کہ جب حضرت صاحب نے دوسری شادی کی تو ایک عمر تک تجرد میں رہنے اور مجاہدات کرنے کی وجہ سے آپ نے اپنے قویٰ میں ضعف محسوس کیا اس پر وہ الہامی نسخہ جو ''زدجام عشق'' کے نام سے مشہور ہے، بنوا کر استعمال کیا۔ چنانچہ وہ نسخہ نہایت ہی بابرکت ثابت ہوا۔ حضرت خلیفہ اوّل بھی فرماتے تھے کہ میں نے یہ نسخہ ایک بے اولاد امیر کو کھلایا تو خدا کے فضل سے اس کے ہاں بیٹا ہوا۔ جس پر اس نے ہیرے کے کڑے ہمیں نذر دیئے۔ نسخہ ''زدجام عشق'' یہ ہے۔ جس میں ہر حرف سے دوا کے نام کا پہلا حرف مراد ہے۔ غفران، دارچینی، جائفل، افیون، مشک، عقرقرحا، شنگرف قرنفل یعنی لونگ، ان سب کو ہم وزن کوٹ کوٹ کر گولیاں بناتے ہیں اور روغن سم الفار میں چرب کرکے رکھتے ہیں اور روزانہ ایک گولی استعمال کرتے ہیں۔ الہامی ہونے کے متعلق دو باتیں سنی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ نسخہ ہی الہام ہوا تھا، دوسرے یہ کہ کسی نے یہ نسخہ

> مرزا صاحب تو یوں بھی پچاس مردوں کی قوت مردانگی سے سرشار تھے، نامردی کے زمانہ میں انھوں نے جب الہامی نسخہ 'زدجام عشق' استعمال کیا تھا اسی زمانہ میں پچاس مردوں کی طاقت آگئی تھی۔ اس نسخہ کی تفصیل سے پہلے یہ یاد دلانا ضروری ہے کہ مرزا صاحب افیون کے رسیا اور دلدادہ تھے۔

حضور کو بتایا اور پھر الہام نے اسے استعمال کرنے کا حکم دیا۔ واللہ اعلم۔ (سیرۃ المہدی جلد سوئم ص:۵۰، ۵۱، از مرزا بشیر احمد قادیانی)

عورتوں کی امامت

یہی وہ الہامی نسخہ ہے جس سے مرزا میں ۵۰ مردوں کی طاقت آگئی تھی وہ بھی عمر کے باون سال گزرنے کے بعد، دوسری شادی کے وقت مرزا کی عمر یہی تھی اور نامردی کے شکار تھے۔ اس کی تفصیل گزر چکی ہے اور اب تو کافر بڑھاپا جوش پر آیا ہوا تھا۔ اندرون خانہ عورتوں کی امامت کرتے تھے۔ ملاحظہ فرمائیے: ''باہر مردوں میں نمازیں باجماعت ہونے کے علاوہ آخری سالوں میں حضرت مسیح موعود (مرزا قادیانی) ایک بہت بڑے عرصہ تک اندر عورتوں میں خود پیش امام ہوکر مغرب اور عشاء کی نمازیں ایک لمبے عرصہ تک جمع کراتے رہے۔'' (ذکر حبیب ص:۶۵، از مفتی محمد صادق قادیانی) (جاری)

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوری رحؒ کی
حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوری رحؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بہترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔
صفحات ۱۹۶ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/150
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوت نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب و تاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

کیا پنجرے میں قید طوطے کو آزادی ملے گی؟

بہتر حکمرانی کے لیے مساوات، شفافیت اور عوامی بھروسے کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور اس کی برقراری کے لیے جانچ ایجنسیوں اور عدالتوں کی فعالیت اور غیر جانبداری ناگزیر ہے تاہم اپنے ملک میں ہم نے اکثر ہی اس کا فقدان دیکھا ہے۔ بات اگر سابقہ حکومتوں کی بھی کی جائے تو بھی صورتحال بہت مختلف نہیں تھی اور ان دنوں تو ملک میں اس کی کمی اور شدت سے محسوس کی جارہی ہے، یہاں تک کہ مدراس ہائی کورٹ نے ایک مقدمے کی سماعت کرتے ہوئے کہا کہ مرکزی تفتیشی ادارے سی بی آئی کو خودمختار ادارہ ہونا چاہیے اور حکومت کو چاہیے کہ وہ پنجرے میں بند طوطا سینٹرل بیورو آف انویسٹی گیشن کو آزاد کردے۔ سینٹرل بیورو آف انویسٹی گیشن (سی بی آئی) ہندستان کی سب سے اہم تفتیشی ایجنسی ہے۔

اس کی تشکیل ۱۹۴۱ء میں ہوئی تھی۔ ابتدا میں یہ ادارہ وزارتِ داخلہ کے تحت تھا لیکن ۱۹۶۳ء میں اسے پرسنل ڈپارٹمنٹ محکمہ کے تحت کردیا گیا۔ وزیر اعظم، سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور اپوزیشن لیڈر پر مشتمل تین رکنی کمیٹی اس کے سربراہ کا تعین کرتی ہے تاہم حالیہ برسوں میں اس کے طریقۂ کار پر سوالات اٹھتے رہے ہیں۔ ہندستان میں اپوزیشن جماعتوں کا الزام ہے کہ مرکزی تفتیشی ادارہ سینٹرل بیورو آف انویسٹی گیشن (سی بی آئی) بھارتیہ جنتا پارٹی کی قیادت والی مرکزی حکومت کے ہاتھوں ایک سیاسی آلہ بن کر رہ گیا ہے جسے حکومت اپنے مخالفین سے انتقام لینے یا انھیں راہِ راست پر لانے کے لیے استعمال کرتی رہتی ہے۔

مدراس ہائی کورٹ نے گزشتہ دنوں ایک مقدمے کی سماعت کے دوران سی بی آئی کو زیادہ خودمختاری اور آزادی دینے کی وکالت کی۔ عدالت عظمیٰ کا کہنا تھا کہ سی بی آئی کو بھی ہندستانی الیکشن کمیشن اور کنٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل آف انڈیا (سی اے جی) کی طرح ہی خودمختار اور آزاد ہونا چاہیے جو پارلیمنٹ کے سامنے جواب دہ ہے۔ سی اے جی حکومتی اداروں اور محکموں کے کام کاج کی جانچ کرتا ہے۔

مدراس ہائی کورٹ نے سی بی آئی کے موجودہ نظام میں بڑے پیمانے پر تبدیلی کے لیے ایک بارہ نکاتی ہدایت بھی دیا کہ یہ حکم پنجرے میں قید طوطے (سی بی آئی) کو آزاد کرانے کی ایک کوشش ہے۔ سی بی آئی کو پنجرے میں قید طوطے کی عرفیت سپریم کورٹ نے ۲۰۱۳ء میں کوئلے کے کانوں کے الاٹمنٹ کے متعلق ایک کیس کی سماعت کے دوران دی تھی۔ اس وقت بی جے پی اپوزیشن میں تھی اور اس نے سی بی آئی پر کانگریس کی قیادت والی حکومت کے اشاروں پر کام کرنے کے الزامات لگائے تھے۔ بی جے پی کے ۲۰۱۴ء میں اقتدار میں آنے کے بعد سے گزشتہ برسوں کے دوران سی بی آئی نے متعدد اپوزیشن لیڈروں کے خلاف مختلف الزامات کے تحت تفتیش شروع کی۔ ایجنسی پر الزام ہے کہ وہ یہ کام بی جے پی کی ہدایت پر اور اس کے رہنماؤں کو خوش کرنے کے لیے کررہی ہے۔ مغربی بنگال کی وزیر اعلیٰ اور ترنمول کانگریس کی رہنما ممتا بنرجی نے حال ہی میں سی بی آئی پر سخت نکتہ چینی کرتے ہوئے اسے وزیر اعظم مودی کے کنٹرول والا Conspiracy Bureau of Investigation قرار دیا تھا۔

مدراس ہائی کورٹ نے اپنے فیصلے میں کہا کہ سی بی آئی کی خودمختاری کو اسے قانونی حیثیت دے کر ہی یقینی بنایا جاسکتا ہے۔ عدالت نے کہا کہ حکومت ہند کو ہدایت دی جاتی ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو وہ سی بی آئی کو قانونی حیثیت دینے کا فیصلہ کرے اور اسے زیادہ اختیارات دے اور اس کے دائرۂ کار میں توسیع کرے۔ مرکزی حکومت کو چاہیے کہ سی بی آئی کو آزاد کرے، اسے حکومت کے کسی انتظامی کنٹرول کے بغیر کام کرنے کی خودمختاری دے۔ مدراس ہائی کورٹ نے مزید کہا کہ ملک کی سب سے اہم تفتیشی ایجنسی کی صلاحیت میں اضافہ کرنے کے لیے اسے مزید سہولیات فراہم کی جانی چاہئیں تاکہ یہ بھی امریکہ کے فیڈرل بیورو آف انویسٹی گیشن (ایف بی آئی) اور برطانیہ کے اسکاٹ لینڈ یارڈ کی طرح کام کرسکے۔ سی بی آئی کے ایک عہدیدار نے مدراس ہائی کورٹ کے فیصلے پر یہ کہتے ہوئے تبصرہ کرنے سے انکار کردیا کہ یہ ایک پالیسی معاملہ ہے اور صرف حکومت ہی اس پر کوئی تبصرہ کرسکتی ہے۔

ویسے پنجرے کے طوطے کو آزادی ملنے کی کوئی صورت تو نظر آتی نہیں کیونکہ حکومت جہاں ڈیٹا اور دیگر امور کی رازداری کے نام پر جواب تک دینے سے گریزاں ہے اور ابھی جس طرح فون ٹیپنگ کے معاملے میں وزارتِ داخلہ نے مرکزی انفارمیشن کمیشن کی عرضی کو یہ کہتے ہوئے مسترد کردیا ہے کہ اس بارے میں جانکاری دینے سے قانون کی خلاف ورزی ہوگی، واضح کردیا ہے کہ حکومت کا موقف صاف ہے کہ کوئی جانکاری پبلک کو نہیں دی جائے گی۔ یہی نہیں بلکہ مبینہ رافیل طیارہ خریداری گھپلا معاملے میں بھی مرکزی حکومت نے معاہدے کی تفصیلات اور قیمتیں بتانے اور کاغذات سپرد کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا تھا کہ اس سے رازداری کی خلاف ورزی ہوگی۔ اب معاملہ تو یوں ٹھہرا کہ رازداری، دیش بھکتی، ملکی تحفظ اور امن عامہ کے نام پر حکومت جو چاہے کہے، جو چاہے کرے اور سوال پوچھنے پر ان ہی تاویلات کے ذریعہ جواب دینے سے انکار کردے، تو شاید پنجرے کا طوطا ابھی پنجرے میں ہی رہے گا تاکہ حکومت کو آنکھیں دِکھانے والوں کو کوئی موقع نہ مل سکے۔ ❑❑

کانگریس کے پاس یوپی میں کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے

اترپردیش ہندستان کی سب سے بڑی ریاست ہے، جو آزادی کے بعد سے برسوں کانگریس کے قبضہ میں رہی ہے۔ ۳۵ سال سے وہاں غیر کانگریسی حکومتیں بنتی رہی ہیں، ان دنوں سونیا گاندھی کی بیٹی پرینکا گاندھی اس ریاست کی انچارج ہیں لیکن ابھی تک وہ اس ریاست کے لیے اتنا وقت نہیں دے سکیں جتنا انھیں دینا چاہیے تھا۔ اب وہ وہاں ۹؍اگست سے ۹؍ستمبر تک ایک ماہ کے لیے جارحانہ مہم چلاتے ہوئے کانگریس کی صفوں میں نئی جان ڈالنے کی کوشش کررہی ہیں۔ ایک ماہ تک عوام سے رجوع ہوتے ہوئے ریاست کی حالت زار کو بیان کیا جائے گا اور یہ سوال کیا جائے گا کہ یوپی کو اس حالت میں پہنچانے کے لیے ذمہ دار کون ہے۔ بحیثیت مجموعی یوپی میں چونکہ کانگریس کا وجود برائے نام ہے ایسے میں اگر پارٹی پوری شدت اور جارحیت کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے تو اس کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے اور اگر اس مہم سے کچھ کامیابی ملتی ہے تو یہ کانگریس کے لیے خالص نفع ہوگا۔

کانگریس کے سامنے اترپردیش میں سماج کے مختلف طبقات کی تائید حاصل کرنے کا ایک بڑا چیلنج ہے۔ پارٹی ریاست میں اپنے وجود کا احساس دلانے کی کوشش کررہی ہے۔ پارٹی چاہتی ہے کہ نچلی سطح سے ایک بار پھر استحکام حاصل کیا جائے تاہم یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، خاص طور پر یوپی کی سیاست کا جائزہ لیا جائے تو وہاں ذات پات کی سیاست کا اثر زیادہ ہے۔ مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے قائدین اپنے عوام کی تائید حاصل کرنے اور اپنی متعلقہ جماعتوں کو کامیاب بنانے میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ ریاست کے دلت ووٹ بی ایس پی کے کھاتے میں رہے ہیں تاہم حالیہ عرصہ میں یہ ووٹ بھی بی جے پی کی سمت منتقل ہوگئے ہیں۔ بی جے پی برہمن طبقہ اور اعلیٰ ذات والوں کے ووٹ بھی یکطرفہ طور پر حاصل کرلیتی ہے اور یہی اس کی کامیابی کی بنیاد بنے ہیں۔ یادو اور مسلمان ووٹ سماج وادی پارٹی کی جھولی میں جاتے ہیں۔ انتہائی پسماندہ طبقات اب بھی بی ایس پی کے ساتھ ہیں۔ ایسے میں کانگریس کے لیے ان تمام طبقات سے قابل لحاظ تعداد میں ووٹ اپنے کھاتے میں منتقل کروانا آسان نہیں ہوگا۔ خاص طور پر اس صورتِ حال میں جبکہ کانگریس کے پاس گراس روٹ لیول کے کارکنوں کی کمی ہے۔ تنظیمی ڈھانچہ بھی مستحکم نہیں ہے اور عوام پر اثر انداز ہونے والے بڑے قائدین کی بھی کانگریس میں قلت ہے۔ ایسے میں کانگریس کو صفر سے شروعات کرنے کی ضرورت ہے اور یہ دقت طلب کام ہے، اس کے لیے صبر آزما جدوجہد کرنی ہوگی۔

کانگریس کے لیے اترپردیش میں صرف ایک مثبت پہلو ہے اور وہ یہ کہ پارٹی کے پاس کھونے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ وہ پہلے ہی عوامی تائید سے محروم ہے۔ اگر پارٹی اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرتے ہوئے عوام کو درپیش اہمیت کے حامل مسائل کو اُٹھاتے ہوئے اور حکومتوں کی ناکامیوں کو مؤثر ڈھنگ سے عوام میں پیش کرتے ہوئے اگر کچھ حد تک بھی عوامی تائید حاصل کرنے میں کامیاب ہوتی ہے تو یہ اس کے لیے ایک اچھی شروعات ہوسکتی ہے۔ ❑❑

بہار میں پنچایت الیکشن کا نوٹیفکیشن جاری، ضابطہ اخلاق نافذ

ریاستی الیکشن کمیشن کے ذریعہ پنچایت انتخاب کو لے کر نوٹیفکیشن جاری ہونے کے ساتھ ہی ریاست میں مثالی ضابطہ اخلاق نافذ ہوگیا ہے۔ گیارہ مرحلوں میں پنچایت انتخاب ہونا ہے۔ چیف الیکشن افسر دیپک پرساد نے میڈیا کانفرنس کے دوران بتایا کہ ریاست کے زیادہ تر اضلاع میں دس مرحلہ میں انتخاب ہوں گے۔ پنچایت انتخاب کو لے کر ایک لاکھ تیرہ ہزار سے زائد پولنگ مراکز بنائے گئے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ مانسون ختم ہونے کے ساتھ ہی انتخاب شروع ہوجائے گا۔ زیادہ تر اضلاع میں دس مرحلہ میں ہی انتخاب ہوگا۔ سیلاب متاثرہ علاقوں میں گیارویں مرحلہ میں انتخاب ہوگا۔ پنچایت انتخاب ای وی ایم سے ہوگا۔ اس ای وی ایم کو لگاتار محکمہ ٹریک کرتا رہے گا۔ مثالی ضابطہ اخلاق پر عمل پنچایت انتخاب لڑنے والے امیدواروں، ان کے حامیوں، کارکنان کے علاوہ برسر اقتدار پارٹیوں کے نمائندوں کو بھی کرنا ہوگا۔

پہلے مرحلہ میں ۲۴؍ستمبر کو دس اضلاع کے بارہ بلاک دوسرے مرحلہ میں ۲۹؍ستمبر کو ۳۴؍اضلاع کے ۴۸ بلاک، تیسرے مرحلہ میں ۸؍اکتوبر کو ۴۵؍اضلاع کے پچاس بلاک، چوتھے مرحلہ میں ۱۰؍اکتوبر کو ۳۶؍اضلاع کے ۵۳ بلاک میں انتخاب ہوں گے۔ وہیں پانچویں مرحلہ میں ۳۸؍اضلاع کے ۵۸ بلاک، چھٹے مرحلہ میں ۳۸؍

(باقی صـ۱۴ـ پر)

تجزیہ — **خالد شیخ**

کیا پیگاسس مودی کا واٹر گیٹ ثابت ہوگا

حکومت مخالف عناصر پر نظر رکھنے یا جاسوسی کرنے کی روایت بہت پرانی ہے اور راجے مہاراجے کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ فرق یہ ہے کہ ٹیکنالوجی کے اس ترقی یافتہ دور میں اس کا رنگ وروپ بدل گیا ہے۔ حکومتیں اس کام کے لیے اپنی سیکورٹی یا انٹیلیجنس ایجنسیوں یا غیر ملکی سائبر کمپنیوں کا استعمال کرتی ہیں۔ اگر آپ محتاط نہیں تو ان کمپنیوں کے آلات آپ کے بیڈروم تک پہنچ جائیں گے اور خبر تک نہ ہوگی۔ پیگاسس اسپائی ویئر ایسا ہی ایک آلہ ہے جسے اسرائیل کی این ایس او گروپ آف ٹیکنالوجی نے تیار کیا۔ اسے سائبر ہتھیار کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ یہ غیر قانونی طور پر ایک وائرس کی طرح سیل فون میں گھستا ہے، اسے چوبیس گھنٹے نگرانی کرنے والے آلے میں تبدیل کرتا ہے اور آپ کا کچا چٹھا اپنے گاہکوں تک پہنچا دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھ لیجیے کہ یہ اسپائی ویئر آپ کے فون کو ہی نہیں آپ کی زندگی اور چین وسکون کو بھی ہیک کرلیتا ہے۔ آئی ٹی ایکٹ کی دفعہ ۴۳ اور ۶۶ کی رو سے فون ہیکنگ جرم ہے لیکن ہندستان ہی نہیں دنیا کا کوئی بھی ملک اس سے مبرا نہیں ہے۔

ہمارا آئین تمام شہریوں کو آزادئ فکر وضمیر اور اظہار وگفتار کی ضمانت دیتا ہے۔ حال ہی میں سپریم کورٹ نے پرائیویسی کو ہر شہری کا بنیادی حق قرار دیا۔ یہ سارے حقوق جمہوریت کی بقا کے لیے بے حد ضروری ہیں۔ سپریم کورٹ نے بھی صاف کردیا کہ حکومت یا اس کی پالیسیوں پر تنقید غداری تو کجا توہین کے زمرے میں بھی نہیں آتی ہے لیکن جمہوری حکومتوں میں شاذ ہی اس پر عمل ہوتا ہے اور مودی حکومت نے تو ساری حدیں پھلانگ دی ہیں۔ مودی آئین وجمہوریت کی پاسداری کا دعویٰ کرتے نہیں تھکتے لیکن اپنے آمرانہ مزاج کے ہاتھوں مجبور ہیں۔ تنقید ان سے برداشت نہیں ہوتی اس لیے وہ کسی کو نہیں بخشتے ہیں۔ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں غالب اکثریت کے باوجود وہ خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں اور تشکیک وتذبذب کا شکار ہیں۔ انھیں اس بات کا بھی احساس ہے کہ لوگ ان کی کارکردگی سے مطمئن نہیں ہیں۔ عوام بڑھتی بے روزگاری اور مہنگائی سے نجات چاہتے ہیں۔ مودی کو ان کا کوئی حل نہیں سوجھ رہا ہے اس لیے وہ اپنے اور حکومت کے خلاف اُٹھنے والی ہر آواز کو دبانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

پیگاسس جاسوسی اسکینڈل اگرچہ مانسون سیشن سے پہلے منظرِ عام پر آیا لیکن حکومت پر فون ہیکنگ کے الزامات بہت پہلے سے لگ رہے تھے۔ ۲۰۱۹ء میں انڈین ایکسپریس کی ایک رپورٹ میں پہلی بار پیگاسس کا نام سامنے آیا جس میں فیس بک کے وہاٹس ایپ پلیٹ فارم نے سان فرانسسکو کی عدالت میں چل رہے ایک کیس میں انکشاف کیا کہ ہندستانی جرنلسٹوں اور حقوقِ انسانی رضا کاروں کی مخبری کا کام پیگاسس نے انجام دیا تھا۔ جب اس مخبری کی پرتیں کھلنے لگیں تو اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور اس میں اپوزیشن لیڈروں سمیت سرکاری افسروں، وزیروں، عدلیہ، الیکشن کمیشن، سی بی آئی کے ذمہ داروں وغیرہ کے نام بھی جڑنے لگے۔ ان پرتوں کو کھولنے کا کارنامہ فرانس کی غیر سرکاری تنظیم فاربیڈن اسٹوریز اور عالمی حقوقِ انسانی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اپنے میڈیا پارٹنرس کے ساتھ مل کر انجام دیا جس میں ہندستان کا نیوز پورٹل 'دی وائر' بھی شامل تھا۔

حکومت نے حسب معمول ہیکنگ سے نہ صرف انکار کیا بلکہ ہمیشہ کی طرح اپوزیشن پر الزام لگایا اور اسے ملک اور حکومت کو بدنام کرنے اور مانسون سیشن نہ چلنے دینے کی سازش بتایا۔ حکومت اس گمان میں تھی کہ جس طرح رافیل دفاعی سودے کے گھپلے میں اپنے دفاع میں سپریم کورٹ کو مہر بند لفافے میں خط لکھ کر اُس نے کلین چٹ حاصل کرلی تھی اسی طرح پیگاسس اسکینڈل کے الزام کی دھار کو بھی کند کرنے میں کامیاب ہوجائے گی۔ یہ اس کی خوش فہمی ہے۔ رافیل معاملے میں راہل گاندھی اکیلے پڑ گئے تھے، اس بار اپوزیشن لیڈر متحد ہیں اور وہ اسکینڈل کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔ دو ہفتوں تک پارلیمنٹ کو چلنے نہ دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر اٹل ہیں۔ مہر بند لفافے کی روایت سابق چیف جسٹس رنجن گوگوئی نے شروع کی تھی۔ ریٹائرمنٹ کے بعد حکومت نے انھیں راجیہ سبھا کا ممبر بنا کر مرکز نوازی کا حق ادا کیا۔ موجودہ چیف جسٹس رمنا، جسٹس گوگوئی اور ان کے پیش رو جیسے نہیں۔ انھوں نے اب تک جس طرح کے بیانات دیئے ہیں اور عدالت سے جس طرح کے فیصلے آئے ہیں ان سے عدل وانصاف کے حامیوں کی ڈھارس بندھی ہے۔ عدالت نے پیگاسس کو سنگین اور حساس معاملہ قرار دے کر اپنے تیور ظاہر کردیئے ہیں۔ حکومت کے لیے پریشانی کی بات یہ ہے کہ پیگاسس کا شکار فرانس سمیت دیگر ممالک نے بھی اس کی جانچ شروع کردی ہے اور خود اسرائیل نے این ایس او کے دفاتر پر چھاپہ مار کر تحقیق کا آغاز کردیا ہے۔

اپوزیشن لیڈر دونوں ایوانوں میں پیگاسس پر بحث کرنا چاہتے ہیں۔ ان کا ایک ہی سوال ہے، کیا حکومت یا اس کی ایجنسیوں نے اسپائی ویئر خریدا تھا؟ اگر ہاں تو کن شرائط پر خریدا تھا؟ حکومت سوال کا جواب دے رہی ہے نہ بحث کے لیے تیار نظر آتی ہے۔ راجیہ سبھا میں حکومت کا یہ بیان کہ اس نے این ایس او سے کوئی سودا نہیں کیا، کسی کو مطمئن نہیں کرسکا۔ حکومت کے لیے مزید پریشانی کی بات یہ ہے کہ رافیل کا جن پھر بوتل سے باہر آگیا ہے۔ اپریل میں فرانس کے ایک تفتیشی جریدے 'میڈیا پارٹ' نے تین قسطوں میں ایک رپورٹ شائع کی جس میں بتایا گیا کہ فرانسیسی اینٹی کرپشن ایجنسی (اے ایف اے) کو ایسے ثبوت ملے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ رافیل بنانے والی کمپنی ڈسالٹ نے رافیل کی فروخت میں ہندوستان میں کسی کو ایک بڑی رقم دلالی کے طور پر ادا کی تھی۔ فرانس کے ایک جج نے اس معاملے کی تفتیش شروع کردی۔ اگر اس میں صداقت پائی گئی تو سپریم کورٹ کو جسٹس گوگوئی کی طرف سے حکومت کو دی جانے والی کلین چٹ پر نظر ثانی کرنا لازم ہوگا۔ بعید نہیں کہ پیگاسس اور رافیل گھپلے مودی کا واٹر گیٹ ثابت ہوں۔

کھیل کی دنیا
وہ کھیل جنھیں وقت نے مقبول بنادیا

کھیل کی مختلف سرگرمیاں ملک کو بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں باقی دنیا سے مقابلہ کرنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ یوں تو دنیا میں متعدد اقسام کے کھیل کھیلے جاتے ہیں لیکن آج ہم صرف دُنیا کے مقبول ترین کھیلوں اور ان سے وابستہ چند دلچسپ حقائق کے بارے میں بات کریں گے۔

امریکہ کا تفریحی مشغلہ بیس بال جو بین الاقوامی کھیل بن گیا

سب سے پہلے آتے ہیں بیس بال کی طرف۔ بیس بال اگرچہ امریکہ کا سب سے مقبول ترین کھیل ہے تاہم یہ دیگر ممالک میں بھی پھیلا ہوا ہے۔ بیس بال کی سب سے پہلی عالمی سیریز ۱۹۰۳ء میں منعقد ہوئی اور آج اس کا شمار دنیا کے اہم ترین کھیلوں میں ہوتا ہے۔ امریکہ کا تفریحی مشغلہ بیس بال پہلے سے کہیں زیادہ بین الاقوامی کھیل بن گیا تاہم بیس بال محض امریکی جنون ہی نہیں ہے، اس کھیل کے جذباتی کھلاڑی اور شائقین لاطینی امریکہ کے طول وعرض، جاپان اور جنوبی کوریا میں بھی موجود ہیں۔ یہ کھیل چھوٹے پیمانے پر دیگر ممالک میں بھی کھیلا جاتا ہے۔ حال ہی میں ہونے والے ۲۰۱۷ء کے بیس بال کے عالمی کلاسیکی مقابلوں میں چین، اٹلی سمیت ۱۹ ممالک نے شرکت کی۔ یہ ٹورنامنٹ اس کھیل کی بین الاقوامی حیثیت اور مقبولیت کا ایک مظاہرہ ہے۔ امریکہ میں میجر لیگ کے سیزن میں امریکی کھلاڑیوں کے علاوہ ۲۵۹ کھلاڑی ایسے ہیں جن کا تعلق انیس ممالک اور دیگر علاقوں سے ہے۔ اس تعداد نے عشروں پرانے ۲۴۶ غیر ملکی کھلاڑیوں کی تعداد کے ریکارڈ کو مات دے دی ہے۔

قدیم اولمپک کھیلوں میں مقبول باکسنگ

بنیادی طور پر باکسنگ کے کوئی قوانین نہیں تھے یہاں تک کہ کھلاڑیوں کی اموات واقع ہونے لگی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کھیل کے قواعد وضوابط بھی متعارف کروائے گئے تاہم یہ ایک پرتشدد کھیل ہے اور اسی وجہ سے کئی ممالک میں اس پر پابندی عائد ہے جبکہ اس کھیل کو دیکھنے والوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ دراصل یہ ایک مبارزی کھیل ہے جس میں عموماً مماثل وزن کے دو افراد گھونسوں سے ایک دوسرے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ یہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے وحشیانہ مگر دلچسپ کھیل ہے۔ قدیم اولمپک کھیلوں میں اسے کافی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کھیل کی اہمیت اور شہرت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کھیل کے اصول وضوابط ۱۷۴۳ء ہی میں انگلستان میں عالمی سطح پر بنانے پڑے۔ مکے بازی کا شمار آج کل انڈور گیمس میں ہوتا ہے۔ یہ کھیل رنگ کے اندر کھیلا جاتا ہے جو بارہ تا بیس مربع فٹ تک ہوسکتا ہے۔ اس کھیل میں حصے لینے والے مکے باز اپنے ہاتھوں پر خاص دستانے چڑھا کر ایک دوسرے

> باسنگ کے بارے میں کسی نے سچ کہا ہے کہ اس نے غریبی کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ دنیا کے کئی ملکوں کی طرح ہندستان میں بھی باکسنگ امراء کا کھیل نہیں رہا۔ یہاں باکسر رِنگ میں اپنے حریفوں اور رنگ سے باہر حالات کے تابڑ توڑ مکوں کا سامنا کرتے آئے ہیں۔

پر اصولوں کے مطابق حملہ کرتے ہیں جبکہ مخالف فریق کے جسم کے مختلف حصوں پر لگنے سے مختلف پوائنٹس ملتے ہیں۔ مخالف کے منہ پر مکا لگنے کی صورت میں مکے باز کو ایک پوائنٹ ملتا ہے۔ موجودہ دور میں مکے بازی کے دو انداز ہیں۔ پیشہ ورانہ مکے بازی اور غیر پیشہ ورانہ مکے بازی۔ پیشہ ورانہ مکے بازی میں کھلاڑی منہ پر حفاظتی ماسک نہیں پہن سکتے۔ غیر پیشہ ورانہ مکے بازی اس قسم کے کھیل کے دوران کھلاڑی اپنے منہ پر حفاظتی ماسک چڑھانے کے مجاز ہوتے ہیں۔ باسنگ کے بارے میں کسی نے سچ کہا ہے کہ اس نے غریبی کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ دنیا کے کئی ملکوں کی طرح ہندستان میں بھی باکسنگ امراء کا کھیل نہیں رہا۔ یہاں باکسر رِنگ میں اپنے حریفوں اور رنگ سے باہر حالات کے تابڑ توڑ مکوں کا سامنا کرتے آئے ہیں۔

کرکٹ کی طرح انگلینڈ کا کھیل رگبی

رگبی انگلینڈ کا ایجاد کردہ کھیل ہے، اس کا شمار بھی پرتشدد کھیلوں میں ہوتا ہے تاہم یہ کھیل امریکہ سمیت دنیا بھر میں انتہائی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اس کھیل میں دونوں طرف پندرہ پندرہ کھلاڑی ہوتے ہیں۔ گیند بیضوی شکل کی ہوتی ہے اور جب وہ لڑھک رہی ہو یا اچھل رہی ہو تو کھلاڑیوں کو اسے ہاتھ سے اُٹھانے کی اجازت ہوتی ہے۔ کھلاڑی گیند ہاتھ میں اُٹھائے ہوئے بھاگتا ہے۔ مخالف فریق کا کھلاڑی اس کا پیچھا کرے تو وہ گیند اپنے کسی ساتھی کی طرف پھینک دیتا ہے۔ وہ گیند لیے ہوئے دوڑ جاری رکھتا ہے اور اسے ٹھکرا کر مخالف ٹیم کے گول میں پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ گول کی بلیاں گیارہ فٹ اونچی ہوتی ہیں۔ جب کسی قاعدے کی خلاف ورزی یا فاؤل ہوتا ہے تو اسکرم بنایا جاتا ہے جس میں دونوں طرف کے آٹھ آٹھ فارورڈ آمنے سامنے کھڑے ہوجاتے ہیں اور اپنے سروں کو جھکا لیتے ہیں۔ اب گیند دونوں قطاروں کے درمیان پھینکی جاتی ہے اور اس پر قبضہ کرنے کے لیے جنگ شروع ہوتی ہے۔ جو کھلاڑی مخالف کے گول کے اندر والے رقبے میں سب سے پہلے زمین پر گیند کو چھولے وہ پہلی کوشش کا حقدار ہوجاتا ہے اور اسے تین پوائنٹ ملتے ہیں۔ پوائنٹ کے شمار کرنے کا طریق کار مختلف ملکوں میں مختلف ہے۔ یہاں تک کہ انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں رگبی کے سرکاری قوانین تھے لیکن ترتیب میں کھیل کو زیادہ متحرک اور شاندار بنانے کے لیے مختلف تبدیلیاں کی گئیں۔ رگبی ایک ایسا کھیل ہے جس میں جیتنے کے لیے کھلاڑی کو دوڑ میں تیز رفتاری کے ساتھ چھینا جھپٹی میں بھی ماہر ہونا پڑتا ہے۔

مقبول ترین کھیل والی بال

والی بال کی بنیاد ۱۸۹۵ء میں رکھی گئی لیکن اس کھیل کی ورلڈ چمپئن شپ کا انعقاد پہلی بار ۱۹۴۹ء میں ہوا۔ اس کے بعد اسے ۱۹۶۴ء میں اولمپک اسپورٹس کے طور پر متعارف کروایا گیا۔ آج والی بال کا شمار دنیا کے مقبول ترین (باقی صـ۱۴ پر)

طب وصحت
سیب کا سرکہ — جوشوگر وغیرہ میں مفید ہے

زمانۂ قدیم سے بے پناہ فوائد کے باعث سرکہ کا گھریلو استعمال کیا جارہا ہے لیکن دورِ جدید میں بیشتر لوگ زبردست طبّی فوائد کے حامل اس شئے سے بے خبر ہوتے جارہے ہیں۔ اب سرکہ کا استعمال محض کھانوں کو لذیذ بنانے کی حد تک رہ گیا ہے۔ ہر چند کہ موجودہ دور میں خالص سرکہ ملنا مشکل نہیں، لیکن یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ بازاری کھانوں میں استعمال ہونے والا سفید سرکہ کیمیاوی مرکبات سے تیار کیا جاتا ہے۔ اصل سرکہ وہ ہوتا ہے جو سبزیوں اور پھلوں سے بنایا جائے اور صحت کے فوائد بھی اصل سرکہ سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ طب اسلامی میں بھی سرکہ کا استعمال ثابت شدہ ہے تاہم سیب اور انگور کے سرکے افضل شمار کیے جاتے ہیں۔ سیب یا انگور کے سرکہ میں گندم یا جو کی روٹی بھگو کر کھانے سے غیر معمولی راحت اور توانائی ملتی ہے۔

آج ہم آپ کو سیب کے سرکہ کے کچھ فوائد بتارہے ہیں جنھیں پڑھ کر آپ یقیناً سیب کے سرکہ کو اپنی روزمرہ غذا کا حصہ بنانے پر غور کریں گے۔

گلے کے انفیکشن میں آرام

اگر گلے میں تکلیف ہورہی ہو تو سیب کے سرکہ سے اس انفیکشن کی روک تھام میں مدد مل سکتی ہے۔ سرکہ میں موجود تیزابی خصوصیات کے سامنے بیشتر جراثیم ٹک نہیں پاتے۔ چوتھائی کپ سیب کے سرکہ میں چوتھائی کپ گرم پانی ملائیں اور ہر گھنٹے بعد غرارے کریں۔

خارش دور کرے

خارج کی شکار جلد کے لیے بھی سیب کا سرکہ فائدہ مند ثابت ہوسکتا ہے۔ سرکہ کے چند قطرے روئی پر لگائیں اور اسے متاثرہ حصے پر رکھ دیں۔ اس میں موجود اجزا خارش زدہ جلد کو سکون پہنچانے میں مددگار ثابت ہوں گے۔

کولیسٹرول کم کرے

چوہوں پر کی گئی ایک طبی تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ سرکہ میں پائے جانے والے ایسیٹک ایسڈ کی بدولت ان کے خراب کولیسٹرول کی سطح میں کمی آئی۔ اسی طرح ایک جاپانی تحقیق کے مطابق روزانہ کچھ مقدار میں سیب کا سرکہ استعمال کرنے سے لوگوں میں کولیسٹرول کی سطح معمول پر رہتی ہے۔

ناخنوں کی پھپھوند دور کرے

سیب کا سرکہ پیروں کے ناخنوں کو پھپھوند سے نجات کے لیے ایک مقبول ٹوٹکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یکساں مقدار میں سیب کے سرکہ کو پانی میں ملائیں اور اس سے پیر کو دھوئیں۔ اس میں موجود تیزابیت متاثرہ جلد یا ناخن پر اثرانداز تو نہیں ہوتی، مگر پھپھوند کے خاتمے میں ضرور مفید ثابت ہوتی ہے۔

معدے کی تیزابیت سے نجات

اگر آپ کو سینہ میں جلن یا معدے میں تیزابیت کی شکایت ہے تو دو چائے کے چمچ سیب کے سرکہ کو ایک گلاس پانی میں ملائیں اور کھانے کے دوران پی لیں۔ سیب کا سرکہ معدے کی تیزابیت کو کم کرتا ہے جبکہ غذائی نالی کو معدے میں تیزابیت بڑھنے کے اثر سے بچاتا ہے۔

نظامِ ہضم کے لیے مفید

سیب کا سرکہ نظام ہضم کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ سیب کے سرکہ کو پانی میں ملا کر استعمال کرنا بدہضمی، قبض یا ہیضہ وغیرہ سے بچانے میں مدد دیتا ہے۔

جسمانی وزن میں کمی

سیب کا سرکہ جسمانی وزن میں کمی کے لیے بھی فائدہ مند ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں موجود ایسیٹک ایسڈ خوراک کی خواہش کم کرکے میٹابولزم کو تیز کرتا ہے۔ طبّی ماہرین کے خیال میں سرکہ جسم کے نظام ہضم کو بھی تیز کرتا ہے، جس کے نتیجے میں دورانِ خون میں بہت کم کیلوریز باقی رہتی ہیں۔

بالوں کی خشکی سے نجات

سرکہ کی تیزابیت سر کی سطح میں تبدیلیاں لاکر خشکی کو دور کرتی ہے۔ چوتھائی کپ سیب کے سرکہ کو چوتھائی کپ پانی میں ملا کر کسی اسپرے بوتل میں ڈال لیں اور پھر اپنے سر پر (باقی صـ۱۴ پر)

ادبیات

کسی زمانے میں عالی مقام تھے ہم لوگ

قاری محمد اسحاق حافظؔ سہارنپوریؒ

امینِ اسوۂ خیرالانام تھے ہم لوگ
کسی زمانے میں عالی مقام تھے ہم لوگ

وفا کے ملک پہ قائم تھا اقتدار اپنا
جہاں میں لائقِ صد احترام تھے ہم لوگ

اُجالے زیست کے خاکے میں رنگ بھرتے تھے
نئی سحر سے کبھی ہم کلام تھے ہم لوگ

ہمیں نے راستہ توحید کا دِکھایا تھا
جہاں کے راہنما تھے، امام تھے ہم لوگ

سپر تھے صبر وتوکل کی، حق کا نیزہ تھے
کمالِ عزم وعمل کی حسام تھے ہم لوگ

کبھی ہماری تھی وابستگی شہادت سے
ادا شناسِ حیاتِ دوام تھے ہم لوگ

ہمیں عروج کی دولت نصیب تھی حافظؔ
فلک وقار و فلک احتشام تھے ہم لوگ

خدا کرے وہی ماضی پلٹ کے پھر آئے
ہمارا پرچم اقبال جس میں لہرائے

میری بربادی کے سب سامان ہوں گے ساتھ میں

افضلؔ شیر کوٹی

کثرتِ امید اور امکان ہوں گے ساتھ میں
خواہشیں میری، مرے ارمان ہوں گے ساتھ میں

الجھنوں کے یوں مری امکان ہوں گے ساتھ میں
کچھ شناسا اور کچھ انجان ہوں گے ساتھ میں

کیا بچے گا پاس میرے پھر تفاخر کے لیے
دوستوں کے جب بہت احسان ہوں گے ساتھ میں

جب کروں گا رہبری میں اپنی مردہ قوم کی
منچلے، کم ظرف اور نادان ہوں گے ساتھ میں

مسئلہ نہ ہوگا نہ کچھ دیر و حرم کے فرق کا
مشرکوں کے صاحبِ ایمان ہوں گے ساتھ میں

بے بسی کو میری جب تم دار پر لٹکاؤ گے
ظالموں کے فیصلے فرمان ہوں گے ساتھ میں

جب قدم بوسی کو افضلؔ آئیں گی خوشحالیاں
میری بربادی کے سب سامان ہوں گے ساتھ میں

دلِ بیتاب تھوڑا سا بہل جائے تو پھر جانا

ڈاکٹر ندیم احمد

ذرا ٹھہرو مری حالت سنبھل جائے تو پھر جانا
دلِ بیتاب تھوڑا سا بہل جائے تو پھر جانا

ابھی تو فرقتوں کے سحر سے نکلا نہیں ہوں میں
تمہارے وصل کا جادو یہ چل جائے تو پھر جانا

برا نہ گر لگے تو سامنے بیٹھے رہو یوں ہی
ترا چہرہ بصارت میں جو ڈھل جائے تو پھر جانا

کئی صدیوں رہا ہوں کرب کے اس زرد موسم میں
سنو یہ درد کا موسم بدل جائے تو پھر جانا

جمی ہیں دھڑکنیں تو منجمد ہیں ساری سانسیں بھی
بدن میں زندگی تھوڑی مچل جائے تو پھر جانا

ابھی مت جاؤ کہ جکڑا ہوا ہے درد نے مجھ کو
تمہارے درد کا لوہا پگھل جائے تو پھر جانا

مرے دل میں ابھی جینے کی پھر خواہش سی جاگی ہے
یہ ننھی سی تمنا پھول پھل جائے تو پھر جانا

ہنس کے کب جاتا ہے کوئی دار پر

حامد علی اختر

وار کچھ ایسا کیا سرکار پر
انگلیاں اُٹھنے لگیں گھربار پر

دن کے کٹ جانے سے ناداں خوش نہ ہو
رات بھاری ہے بہت بیمار پر

کیسے وہ بم کی تباہی روکتے
مطمئن جو تھے فقط تلوار پر

سب مٹانے کے لیے بیتاب ہیں
جانے میں نے کیا لکھا دیوار پر

لٹتے لٹتے سب گدا صورت ہوئے
مطمئن پھر بھی ہیں سب سردار پر

بات جرأت کی ہے یہ اخترؔ میاں
ہنس کے کب جاتا ہے کوئی دار پر

میں وہ قطرہ ہوں سمندر مرے گھر آتا ہے

معین قریشی

لاکھ مغرور ہو اِک روز مگر آتا ہے
میں وہ قطرہ ہوں سمندر مرے گھر آتا ہے

کتنا سرکش ہے مری طرح وہ پروانہ بھی
روز جاتا ہے، جلائے ہوئے پر آتا ہے

اب تو پانی کا سفر بھی یہاں محفوظ نہیں
یاد رکھ لینا کہ دریا میں بھنور آتا ہے

میں اگر لاکھ چھپاؤں بھی تو لاحاصل ہے
حال میرا مری آنکھوں سے نظر آتا ہے

کس قدر تیری محبت میں صداقت ہے معینؔ
تو جو رشتوں کو نبھاتا ہے تو مرجاتا ہے

بقیہ — جدوجہد آزادی میں....

انصاری اور وزیر دفاع ترکی کے جنرل کاظم بے بنائے گئے جن میں ایک کے سوا سب مسلمان تھے۔ اور انہوں نے افغانستان کی سرزمین کو اپنے لئے تنگ پاکر دوسرے ممالک کے بھی دورے کئے جن میں سوویت یونین ترکی، جاپان، جرمنی اور امریکہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ۱۹۱۸ء میں جس خلافت تحریک کا آغاز ہوا یا اس سے قبل جس جمعیۃ علماء کی تشکیل عمل میں آئی اس نے خفیہ نہیں برسرعام آزادی کی جدوجہد کا سلسلہ شروع کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ تحریکات اتنی طاقتور ہوگئیں کہ انگریزوں کا اقتدار ڈگمگانے لگا اور مہاتما گاندھی نے بھی اس میں شرکت اختیار کرلی۔ اس تحریک کے وسیلہ سے مولانا حسین احمد مدنی، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں، مولانا کفایت اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، حسرت موہانی، نورالدین بہاری، ڈاکٹر انصاری اور آصف علی کے علاوہ ہزاروں باہمت مسلمانوں اور ان کے زیر قیادت کالج واسکول کے طلباء نے بے مثال قربانیاں پیش کیں قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اپنے عزم کی طاقت سے نہ صرف وقت کا مزاج بدل دیا بلکہ سیاست کو ایک مقدس مشن بنا کر پیش کیا اور قصہ خوانی بازار سے لے کر انڈومان کے سیاہ پانیوں تک آزادی کی پوری شاہراہ کو اپنے خون کے چھڑکاؤ سے رنگین کردیا۔ کانگریس کو حوصلہ ان سے ملا دوسری تحریکات کا مزاج انہوں نے بدلا پھر اس ملک کے حریت پسند شاہینوں کے خوابوں کی تعبیر کی صورت میں جب آزادی ملی تو سب سے زیادہ یہی نظرانداز کئے جارہے ہیں اور ہندوستان میں انہیں آج بھی آزمائش وحق تلفی کا شکار ہونا پڑ رہا ہے۔ □□

بقیہ — وہ کھیل جنھیں....

کھیلوں میں ہوتا ہے۔ اس کھیل کے دنیا بھر میں مقبول ہونے کے کئی عوامل ہیں۔ پہلا قوانین کی سادگی ہے، اس کے علاوہ والی بال کھلاڑیوں میں بھاری سرمایہ کاری کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ والی بال ٹیموں میں دو اور چھ کھلاڑیوں کے درمیان کہیں بھی کھیلا جاسکتا ہے۔ انڈر والی بال عام طور پر ہر ٹیم پر چھ کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلا جاتا ہے۔ بیچ والی بال اکثر دو کھلاڑیوں کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ گھاس ٹورنامنٹ اور کبھی کبھار ساحل سمندر پر چار افراد والی والی بال کو اکثر دیکھا جاتا ہے۔

ملین ڈالرز آمدنی کا ذریعہ ٹینس

ٹینس کی ابتدا تو کہیں اور سے ہوئی لیکن جلد ہی امریکہ نے اسے اختیار کرلیا اور چمپئن بن بیٹھا۔ اس وقت سترہ ملین سے زائد امریکی ٹینس کھیلنے کے شوقین ہیں۔ ٹینس عالمی طور پر لاکھوں ملین ڈالر کی آمدنی کا ذریعہ بنتا ہے۔ ٹینس کا کھیل تاریخی ہے۔ ہزاروں سے زائد برسوں میں کئی ثقافتوں کو پھیلانے کے ساتھ گیندوں اور ریکٹ کھیلوں کے ساتھ مختلف ثقافتوں میں کھیلا جارہا ہے اور اس کا عین ثبوت ہے کہ قدیم یونانیوں، رومیوں اور مصریوں نے ٹینس کا کچھ ورژن ادا کیا۔ کھیل کی مقبولیت ۱۷۰۰ء کی دہائیوں میں ڈوب گئی تھی لیکن ۱۸۵۰ء میں اس کا ایک بڑا قدم آگے بڑھا ہوا تھا جس کے نتیجے میں ویلکو نائزڈ ربر کی ایجاد ہوئی۔ سخت ربر کی گیند ٹینس پر لاگو ہوئی، بیرونی کھیل گھاس پر کھیلنے کی اجازت دی گئی۔ لندن میجر والٹر ونگ فیلڈ نے ۱۸۷۳ء میں سوفیر سٹیک (یونانی کے لیے بال کھیلنے) کا نام دیا جس سے جدید بیرونی ٹینس تیار ہوگئے۔

ملین ڈالر انٹرنیشنل کھیل گولف

اسکاٹ لینڈ کا دعویٰ ہے کہ گولف اس کی ایجاد ہے تاہم اس کھیل نے بھی دنیا میں بہت ہی تیزی سے مقبولیت حاصل کی۔ اس کھیل کے مقابلے منعقد کیے جاتے ہیں جس میں کھلاڑی دوسرے کھلاڑی کو شکست دے کر نقد انعامی رقم تک حاصل کرتے ہیں۔ گولف ایک ملٹی ملین ڈالر انٹرنیشنل کھیل ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ گولف اسکاٹ لینڈ میں شروع ہوا اور چرواہے کی طرف سے ایجاد کیا گیا۔ گولف کو امیروں اور نوجیوں کا کھیل کہا جاتا ہے اور اس کھیل کو برصغیر میں انگریزوں ہی نے متعارف کروایا تھا اور ان انگریزوں ہی نے گولف کی سرپرستی کی، تاہم تقسیم ہند اور انگریزوں کے جانے کے بعد ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا تھا۔ ہندستان میں یہ کھیل معدوم ہو چکا ہوتا اگر ہمارے ملک کی چند گنی چنی شخصیات اور ایک مخصوص طبقہ نے اسے زندہ رکھنے کی کوشش نہ کی ہوتی۔ □□

بقیہ :—— گاہے گاہے باز خواں...

چلائی جاتی ہے اور دوسری طرف ایسے لوگوں کو پارٹی کے ٹکٹ پر کامیابی سے ہمکنار کرکے انھیں پارلیمنٹ یا اسمبلیوں میں پہنچایا جاتا ہے۔ یہ دوہرا موقف کیوں؟ جب داغدار لوگوں کو ٹکٹ دیا جاسکتا ہے تو انھیں کامیاب ہونے پر وزیر کیوں نہیں بنایا جاسکتا؟ بی جے پی کے صدر کا مذکورہ عجیب وغریب وعدہ اور منطق شاید ہی کسی کے حلق سے نیچے اُترے۔

ہمارے خیال میں مسٹر ایڈوانی کا یہ وعدہ صرف برائے وعدہ ہی ہے۔ اس حقیقت کو سب ہی جانتے ہیں کہ مجرمانہ ریکارڈ رکھنے والے لوگ جس طرح ٹکٹ حاصل کرتے ہیں اسی طرح وزارت بھی حاصل کرسکتے ہیں پھر اگر انھیں وزارت نہیں ملتی تو پھر انھیں تحفظ اور لال بتی کس طرح ملے گی جبکہ سچائی یہ ہے کہ وہ یہ معرکہ آرائی صرف انھیں چیزوں کے لیے کرتے ہیں۔ مسٹر ایڈوانی اپنی پارٹی کی اگر سابقہ کارگزاری پر نظر ڈالیں تو انھیں خود معلوم ہوجائے گا کہ سابقہ اسمبلی کے معلق ہونے کی صورت میں جب بہار میں نیتیش کمار کی قیادت میں این ڈی اے نے حکومت سازی کی کوشش کی تھی تو اس کی تمام تر اُمیدیں لوک جن شکتی پارٹی کے جرائم پیشہ ارکان اسمبلی سے ہی وابستہ تھیں۔ لوک جن شکتی پارٹی کو توڑ کر اس سے باہر آنے والے جتنے لوگ تھے وہ سب وہی تھے جن پر جرائم پیشہ ہونے کا لیبل چسپاں تھا۔ اس کے باوجود بھی اگر ایڈوانی جی ایک بار پھر عوام کو یہ جھانسہ دینے کی کوشش کررہے ہیں کہ اگر این ڈی اے کی بہار میں حکومت بنتی ہے تو اس میں کسی داغدار جرائم پیشہ شخص کو وزیر نہیں بنایا جائے گا۔ اسے ان کی صرف سیاسی کرتب بازی ہی کہا جاسکتا ہے۔

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کو مولانا کے خوابوں کی عملی تعبیر بنایا جائے: فیروز بخت احمد

نئی دہلی: مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے چانسلر فیروز بخت احمد نے آج سینٹرل وقف کونسل کے رکن رئیس خان پٹھان سے ملاقات کی۔ دونوں لیڈران کے درمیان تعلیمی میدان میں کمزوروں کو آگے لانے اور سماج کے محروم طبقات کو تعلیم سے جوڑنے کے سلسلہ میں کافی طویل گفتگو ہوئی۔ اس موقع پر رئیس خان پٹھان نے کہا کہ کورونا کے بعد جس طرح سے اسکول، کالج اور یونیورسٹیز کھل رہی ہیں وہ انتہائی خوش آئند ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی میں صدر نے وائس چانسلر کی تقرری کردی ہے۔ مولانا آزاد نیورسٹی کو ملک کے پہلے وزیر تعلیم مولانا آزاد کے خوابوں کا مرکز بننا ابھی باقی ہے۔ انہیں کے پوتے فیروز بخت احمد کو حکومت نے خدمت کرنے کا موقع عنایت فرمایا ہے، ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اس سمت میں بہترین کام کرسکتے ہیں اور ان سے بہتر مولانا کے عزائم کو شاید ہی کوئی سمجھے۔ رئیس خان پٹھان کی باتوں کو سننے کے بعد چانسلر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فیروز بخت احمد نے کہا کہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ یونیورسٹی کو اس راستے پر ضرور لے جائیں گے جو خواب مولانا آزاد نے دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ یقیناً یہ یونیورسٹی اردو والوں کی امیدوں کا مرکز ہے۔ ہماری پوری کوشش ہوگی کہ ہم اس جذبہ سے کام کریں کہ اپنے اللہ کو منہ دکھانے کے لائق رہیں اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ روزگار سے جوڑیں تاکہ بچوں کا مستقبل سنور سکے۔

بقیہ — ارتداد کی لہر....

لگاؤ اور غیر دیندارانہ حال وماحول نے نسل نو کو مغربی تہذیب وثقافت کا دلدادہ بنادیا ہے، رشتہ نکاح کے سلسلہ میں اب دینداری قابل ترجیح نہیں رہی ہے، اول تو ہر کوئی حسن وجمال کا متلاشی ہے، حسن سیرت پیش نظر نہیں ہے۔ دینداری، اعلیٰ اخلاق، اسلامی اقدار، امور خانہ داری وغیرہ میں مہارت جیسی باتیں قصہ پارینہ بن گئی ہیں، جہیز، جوڑے، عمدہ وقیمتی سامان، اعلیٰ شادی خانہ کا نظم، لوازمات سے بھرپور طعام کا انتظام، شادی خانہ واسٹیج کی خوبصورت ودیدہ زیب سجاوٹ وغیرہ جیسے مطالبات سامنے آتے ہیں اور لڑکی والے بھی لڑکے اور لڑکے والوں کی مالی پوزیشن وسماجی حیثیت سے مرعوب ہوکر ان کے ہر مطالبہ کو قبول کرنے تیار ہوجاتے ہیں اور بعض ایسے نادان بھی دیکھے گئے ہیں جو راضی خوشی ان کے مطالبات سے کہیں زیادہ دینے کو سماجی وجاہت سمجھتے ہیں اور یہ سب کچھ نام ونمود، شہرت ودکھاوا، فخر اور اپنی حیثیت وپوزیشن کو اونچا دکھانے کی غرض سے ہوتا ہے۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

”کچھ مدت تک یہ بات ناقابل قیاس سمجھی جاتی تھی کہ مسلمان دین حق سے منحرف ہوکر رسم ورواج یا کوئی اور مذہب قبول کرلیں؛ لیکن جہالت اور پسماندگی، غربت یا غفلت کی وجہ سے اب صورت حال خاصی بدل چکی ہے، بعض کم فہم اور غافل مسلمان ارتداد کی چنگل میں مبتلا نظر آنے لگے ہیں، اسباب جو بھی ہوں، ان حالات میں دینی تحریکوں جماعتوں تنظیموں اور اداروں کا اولین فریضہ ہے کہ وہ اس کے سد باب کیلئے باہم سر جوڑ کر بیٹھیں اور مسلمانوں میں شعور پیدا کریں۔“

اس کی ایک مثال تملناڈو کے مشہور شہر میل وشارم کی ہے، جہاں پر اس طرح ارتداد کے واقعات کثرت سے پائے جاتے تھے لیکن مقامی علماء کرام فوری حرکت میں آکر ایک کمیٹی تشکیل دی جس کا مقصد یہ تھا کہ چند مستورات کے ذریعے ایسے لڑکیوں تک رسائی کرنا اور ان تک پہنچ کر قرآن وحدیث اور عقائد کو سمجھانا جن کا تعلق غیروں سے ہے، ہمیں بھی اپنی بہن بیٹیوں کو ارتداد کے دہانے سے بچانے کیلئے اس طرح کے اقدامات کی سخت ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو ہر فتنہ سے حفاظت فرمائے، شریعت کا پابند بنائے، اللہ تعالیٰ ایمان پر استقامت اور ایمان پر خاتمہ بالخیر فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔ □□

بقیہ — بہار پنچایت الیکشن....

اضلاع کے ۵۷ بلاک، ساتویں مرحلہ میں ۳۷/اضلاع کے ۶۳ بلاک، آٹھویں مرحلہ میں ۳۶/اضلاع کے ۵۵ بلاک، نویں مرحلہ میں ۳۳/اضلاع کے ۵۳ بلاک، دسویں مرحلہ میں ۳۴/اضلاع کے ۵۳ بلاک اور گیارہویں مرحلہ میں ۲۰/اضلاع میں ۳۸ بلاکوں میں پولنگ ہوگی۔

پٹنہ میں پہلے مرحلہ میں کسی بھی بلاک میں انتخاب نہیں ہوگا۔ دوسرے مرحلہ میں پالی گنج میں، تیسرے مرحلہ میں نوبت پور اور بکرام بلاک میں، چوتھے مرحلہ میں دلہن بازار اور بہٹا بلاک میں، پانچویں مرحلہ میں دھنر وا، خسرو پور اور سمپت چک بلاک میں، چھٹے مرحلہ میں پن پن، مسوڑھی بلاک میں، ساتویں مرحلہ میں بھلواری شریف، دنیاواں اور پٹنہ صدر بلاک میں، آٹھویں مرحلہ میں ڈھری، باڑھ، پنڈارک میں، نویں مرحلہ میں دنارا، سورپور، فتوحہ اور بختیار پور بلاک میں، دسویں مرحلہ میں اٹھمل گولا، مکامہ، بیل چھی بلاک میں، گیارہویں مرحلہ میں دانا پور میں انتخاب ہوگا۔ ریاست میں پہلی مرتبہ گیارہ مرحلوں میں پنچایت انتخاب کرایا جارہا ہے۔ پہلی بار ای وی ایم اور بیلٹ پیپر دونوں سے پولنگ کرائے جائیں گے۔ ہر بوتھ پر قریب چھ پولنگ اہلکار تعینات کیے جائیں گے۔ قریب ڈھائی لاکھ عہدوں کے لیے انتخاب ہونا ہے۔ پنچایت انتخاب کے تحت مکھیا، وارڈ رکن، پنچایت سمیتی رکن، ضلع پریشد رکن، پنچ اور سرپنچ منتخب کیے جانے ہیں۔ ان میں مکھیا، وارڈ رکن، پنچایت سمیتی رکن اور ضلع پریشد رکن کا انتخاب پہلی بار رائے دہی ایم کے ذریعہ ہوگا۔ نوٹیفکیشن جاری ہونے کے ساتھ ہی امیدوار اب چھ الگ الگ عہدوں کے لیے نامزدگی کرسکیں گے۔ نامزدگی کے لیے ان کو سات دنوں کا وقت ملے گا۔ کمیشن نے پرچہ نامزدگی کرنے، جانچ اور نام واپسی کے وقت مقرر کردیئے ہیں۔ مکھیا، سرپنچ، وارڈ رکن، پنچ، پنچایت سمیتی رکن اور ضلع پریشد رکن کے امیدوار گیارہ بجے دن سے شام چار بجے تک نامزدگی کرسکیں گے۔ کمیشن نے ہر عہدہ کے لیے انتخابی نشان بھی طے کردیا ہے۔ اس کی اطلاع ضلع الیکٹورل افسر کم ڈی ایم کو بھیج دی گئی ہے۔ اس بار بھی ہوائی جہاز چارپائی سے لے کر کپ پلیٹ اور قلم دوات تک انتخابی نشان الاٹ کیا گیا ہے۔

بقیہ — سیب کا سرکہ....

اس کا چھڑکاؤ کریں۔ اس کے بعد اپنے سر پر تولیہ لپیٹیں اور پندرہ منٹ سے ایک گھنٹہ تک کے لیے بیٹھ جائیں، اس کے بعد بالوں کو دھولیں، بہترین نتائج کے لیے ہفتے میں دوبار اس عمل کو دہرائیں۔

کیل مہاسوں کو صاف کرے

سیب کا سرکہ ایک قدرتی ٹانک ہے جو جلد کو صحت مند بناتا ہے۔ اس کی جراثیم کش خوبیاں کیل مہاسوں کو کنٹرول میں رکھتی ہیں جبکہ جلد کو نرم اور لچکدار بنانے کا بھی کام کرتی ہیں۔

بدبودار سانس کا خاتمہ

اگر برش کرنے اور ماؤتھ واش کرنے کے بعد بھی سانس کی بو ختم نہیں ہورہی تو اس گھریلو نسخے کو استعمال کرکے دیکھیں۔ سیب کے سرکہ سے غرارے کریں یا ایک چائے کا چمچ پانی میں ملا کر اسے پی لیں تاکہ بو پیدا کرنے والے بیکٹیریاز کا خاتمہ ہوسکے۔

ذیابیطس کے لیے مفید

سیب کے سرکہ کی کچھ مقدار پینا بلڈ شوگر لیول کو متوازن رکھنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ ذیابیطس ٹائپ ٹو کے مریضوں پر ہونے والے ایک تحقیق کے مطابق سونے سے قبل دو چائے کے چمچ سیب کا سرکہ پینے سے صبح گلوکوز کی سطح میں کمی ریکارڈ کی گئی۔

نزلہ زکام میں فوری اثر

اگر نزلہ زکام کا شکار ہوجائیں تو سیب کا سرکہ استعمال کرکے دیکھیں۔ اس کے اندر پوٹاشیم موجود ہوتا ہے جو ناک کو کھولتا ہے جبکہ ایسیٹک ایسڈ جراثیم کی تعداد کو کم اور ناک کھولنے کا کام کرتا ہے۔ بس ایک چائے کا چمچ سیب کا سرکہ ایک گلاس پانی میں ملائیں اور پی لیں۔ □□

بقیہ — منظر پس منظر

سے ہندوستان کی پہلی جلاوطن حکومت کے وزیراعظم اور عظیم محبّ وطن مولانا برکت اللہ بھوپالی اٹھے جو آج امریکہ میں دفن ہیں اور اسی خاک نے انباپانی کے جاگیردار فاضل محمد خاں، نواب صدیق حسن خاں، سعید اللہ خاں رزمی، خان شاکر علی خاں، مولانا طرزی مشرقی، ظہور ہاشمی اور فضل علی سرور کو وہ ولولہ بخشا کہ انہوں نے آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانیوں سے دریغ نہ کیا۔ لیکن جنگ آزادی کی ان اہم ہستیوں کو آج اس حد تک نظرانداز کردیا گیا ہے کہ نئی نسل ان کے ناموں تک سے واقف نہیں ہے۔

ملک کے اتحاد اور یکجہتی کے لئے نہایت ضروری ہے کہ مسلم انقلابیوں اور مجاہدین آزادی کے اس کردار کا کھلے دل سے اعتراف کرکے نئی نسل کو اس سے آگاہ کیا جائے تاکہ اس کو یہ سمجھنے میں مدد ملے کہ مسلمانوں کی اپنے وطن عزیز سے محبت ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے وہ تحریک آزادی کے پیش رو رہے ہیں۔ بعد میں بھی انہوں نے برادران وطن کے دوش بدوش جدوجہد آزادی میں سرگرم حصہ لیا ہے اور کسی بھی وقت وطن کے تئیں ان کی محبت کم نہ ہونے پائی، اسی طرح وہ خلیج کم ہوسکتی ہے جو آج قوم کے مختلف فرقوں میں دوری کا باعث بن رہی ہے اور جس کو دور کرنا مسلمانوں کے نہیں پورے ملک کے مفاد میں ہے۔ □□

بقیہ :—— مراسلات

اس ذمّے داری اور پھر کوتاہی کے سوال کا جواب پیش کرنا ہے۔ اپنے فرائض سے کوتاہی وہ جرم عظیم ہے، جس کی گرفت سخت تر ہوگی۔ یہ کیا ظلم ہے کہ وقف کی آمدنی کا نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ اخراجات کے اصول وقواعد، یہ بھی پتہ نہیں کہ ہمیں کون کام کرنا چاہیے اور کس جگہ خرچ کرنے سے پرہیز۔ وقف کی آمدنی ایسے کام میں خرچ کرنا جس میں نام ونمود مقصود ہو اور وقف کو جس سے کوئی فایدہ نہ ہو، اپنی ذمہ داری کے احساس کا فقدان ہے اور یہی وجہ ہے کہ وقف کی آمدنی بعض اپنی آمدنی میں ملا دیتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ وقف کی چیز میری چیز ہے۔

(مولانا) ندیم احمد انصاری

تبدیلیٔ مذہب کے لئے مجسٹریٹ سے اجازت کی ضرورت نہیں

گجرات ہائی کورٹ کا 'لو جہاد قانون' پر فیصلہ برقرار

اصل لڑائی شخصی آزادی بچانے کی ہے، اگر حکومت سپریم کورٹ جائے گی تو جمعیۃ بھی سپریم کورٹ جائے گی، بہرصورت آئین کی حفاظت کی جائے گی: **مولانا محمود مدنی** صدر جمعیۃ علماء ہند

نئی دہلی، ۲۷؍اگست ۲۰۲۱ء: جمعیۃ علماء ہند کی عرضی پر گجرات ہائی کورٹ نے گزشتہ ہفتے ریاست کے لو جہاد قانون کی اہم دفعات (۳، ۴، ۵، اور ۶) پر روک لگا دی تھی۔ اس روک کو ہٹانے کے لیے جمعرات کو دوبارہ ہائی کورٹ میں سماعت ہوئی، چنانچہ کورٹ نے پبلک پراسیکیوٹر کی جانب سے دفعہ ۵ پر اسٹے ہٹانے کی درخواست خارج کردی او رکہا کہ تبدیلی مذہب کے لیے مجسٹریٹ کی اجازت ضروری نہیں ہے۔

سرکاری درخواست کی جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے سینئر ایڈوکیٹ مہر جوشی نے شدت سے مخالفت کی اور کہا کہ سرکار لوگوں کی ذاتی زندگی میں مداخلت کررہی ہے، وہ چاہتی ہے کہ جب کوئی شادی کرے تو اسے جیل میں بند کردیا جائے اور اس وقت تک نہ چھوڑا جائے جب تک سرکار کو اطمینان نہ ہوجائے کہ شادی میں کوئی زبردستی یا لالچ نہیں تھی، یعنی شادی کی ابتدائی زندگی کو سرکار جہنم بنانا چاہتی ہے۔ ایڈوکیٹ مہر جوشی نے یہ بھی استدلال کیا کہ اگر ایکٹ کی دفعہ ۵ پر حکم امتناع باقی نہیں رکھا گیا تو عدالت کا مکمل فیصلہ بے معنی اور بے حیثیت ہوکر رہ جائے گا۔ ایڈوکیٹ جنرل نے دعویٰ کیا کہ سیکشن ۵ کا شادی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے، بلکہ یہ جنرل حکم ہے کہ ہر کوئی شخص جو مذہب تبدیل کرنا چاہتا ہے اسے اجازت کی ضرورت ہوگی، عدالت نے جواب دیا کہ ۱۹؍اگست کو منظور کردہ آرڈر تبدیل کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی، کیونکہ ہم نے اسے محض شادی کے تناظر میں دیکھا ہے اور اس کے مطابق ہی فیصلہ دیا ہے۔ عدالت میں جمعیۃ علماء ہند کے ایڈوکیٹ آن ریکارڈ عیسیٰ حکیم اور محمد طاہر حکیم بھی موجود تھے، اس مقدمہ کی مکمل پیروی جمعیۃ علماء گجرات کررہی ہے، جمعیۃ علماء گجرات کے جنرل سکریٹری پروفیسر شاراحمد انصاری اس معاملے کو دیکھ رہے ہیں۔

عدالت کے آج کے فیصلے پر جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا محمود مدنی نے کہا کہ اصل لڑائی آئین میں حاصل شخصی آزادی کی بقا کی ہے۔ اگر اس فیصلے کے خلاف گجرات سرکار، سپریم کورٹ جائے گی تو ہم بھی جائیں گے، انھوں نے کہا کہ ہمارے ملک کے آئین میں اپنے مذہب اور عقیدے کے ساتھ ہر شخص کو جینے کا حق حاصل ہے، لیکن حال میں کچھ ریاستوں نے اس پر قدغن لگانے کی کوشش کی ہے۔ اس فیصلے سے نہ صرف گجرات سرکار کے 'لو جہاد قانون' کی دستوری حیثیت پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے بلکہ اس کا اثر تمام متعلقہ ریاستوں پر پڑے گا، سرکار نے اس قانون میں ایسی شقیں رکھی ہیں جن سے فرقہ پرست عناصر کو موقع ملتا ہے کہ ہر کسی ایسے شخص کو ڈرائے جس نے مرضی سے شادی کی ہے، کیوں کہ اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا بوجھ بھی ملزم پر ہے۔

ریاستی وزیر مولانا صدیق اللہ چودھری بنگال جمعیۃ علما کے صدر منتخب

کلکتہ: ممتا بنرجی کے کابینی وزیر مولانا صدیق اللہ چودھری کو بنگال جمعیۃ علماء کا ایک بار پھر اتفاق رائے سے صدر منتخب کیا گیا ہے۔ اس موقع پر جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا سید محمود مدنی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند بزرگوں کی امانت ہے اور جمعیۃ علماء ہند نے ملک کی ترقی اور ہندوستان میں اسلام کی بقا کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں، آج بھی ملک اور مسلمانوں کے سامنے سنگین چیلنج ہے۔

مولانا محمود مدنی نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت مسلمانوں کو جو سب سے بڑا چیلنج کا سامنا ہے وہ ارتداد کی مہم ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا بڑا طبقہ دین سے ناواقف ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کے لئے کون ذمہ دار ہے؟ اس صورت حال کے لئے کس سے سوال پوچھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے ہم سے سوال پوچھا جائے گا۔ کیونکہ ماضی میں ہمارے اکابرین نے ہی ارتداد کا مقابلہ کیا تھا۔ مولانا محمود مدنی نے کہا کہ اس وقت ارتداد کا جو طوفان کھڑا ہے وہ شاید گزشتہ سو سالوں میں اتنا بڑا طوفان نہیں آیا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ جمعیۃ علماء ہند اور اس سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ محلے میں کوئی بھی بچہ دین کی بنیادی تعلیم سے باخبر نہ رہے۔ ہمیں مکاتب کے جال بچھانے ہیں ہمارے بچے اور بچیاں اعلیٰ تعلیم حاصل کریں اور ساتھ میں دینی تعلیم بھی حاصل کریں۔ مغربی بنگال جمعیۃ علماء کے صدر مولانا صدیق اللہ چودھری نے کہا کہ جمعیۃ علماء ان کی ترجیحات میں شامل ہے، میں نے وزارت اس لئے قبول کی ہے تاکہ اس کے ذریعہ ہم ملک کی خدمت کرسکیں، مگر جمعیۃ میری پہلی ترجیح ہے کیوں کہ جمعیۃ علماء کے ذریعہ مسلمانوں میں تعلیمی، سماجی، معاشی شعور پیدا ہوا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اس میں تیز رفتاری آئے۔ انہوں نے کہا کہ جمعیۃ علماء اشتراک، عمل اور اتحاد میں یقین رکھتی ہے اس لئے ہم نے جمعیۃ علماء کی مرکزی کمیٹی میں فرفرہ شریف کے پیرزادہ طٰہٰ صدیقی کو شامل کرنے کا فیصلہ کیا، اگر وہ ہمارے ساتھ آتے ہیں تو ہم ان کا خیر مقدم کریں گے اور ساتھ میں کام کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے مقاصد ایک ہیں، اس لئے اشتراک کے عمل میں کوئی حرج نہیں ہے۔ فرفرہ شریف سے ہمارا کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کی مجلس عاملہ کا اجلاس اختتام پذیر

رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کے قیام کا اہم مقصد ہے، مدارس اسلامیہ کا کردار شروع سے ہی بڑا تابناک اور روشن رہا ہے، اس کو پھر سے نکھارنے کی ضرورت ہے، مدارس اسلامیہ کے داخلی اور خارجی مشکلات کا اجتماعی غور وفکر سے ازالہ کرنے کیلئے ہی کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تھا، ملک بھر میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں، بہار میں بھی اس کی شاخ کا قیام عمل میں آیا، اور مرکزی جانب سے مولانا محمد قاسم صدر منتخب کئے گئے، لیکن ان کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے، غور وفکر کے بعد احقر کو مرکز کی جانب سے رابطہ مدارس اسلامیہ بہار کا صدر نامزد کیا گیا، ان خیالات کا اظہار کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کی شاخ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کی مجلس عاملہ اور مدعوئین خصوصی کے اجلاس میں صدارتی خطاب کرتے ہوئے جناب مولانا مرغوب الرحمن صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار نے کیا۔ واضح رہے کہ کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کی شاخ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کے صدر مولانا محمد قاسم بانی جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ کے انتقال پرملال کے بعد، بہار شاخ رابطہ مدارس کے صدر کا عہدہ خالی ہوگیا تھا، اراکین عاملہ کے مشورہ سے مرکزی رابطہ مدارس نے جناب مولانا مرغوب الرحمن قاسمی کو رابطہ مدارس بہار کا صدر منتخب فرمایا۔ اس سلسلہ میں آج اراکین مجلس عاملہ رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار، اور مدعوئین خصوصی کی اہم مشاورتی میٹنگ، جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ میں منعقد ہوئی، جس میں صدر محترم کے علاوہ مولانا غیاث الدین کشن گنج، مفتی شمس توحید پورنیہ، مولانا صابر قاسمی دربھنگہ، مفتی محفوظ الرحمن سیوان، مولانا محمد حارث مہتمم جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ، مولانا عبدالمجید اسحاق بیگوسرائے، قاری غضنفر علی قاسمی گیا، قاری شہرت جہاں آباد، مولانا غلام سرور حلیمی رہتاس، مفتی توقیر عالم قاسمی پورنیہ، مولانا شمشیر قاسمی نوادہ، مولانا غلام یٰسین مظاہری، کٹیہار، مفتی مناظر نعمانی کشن گنج، مولانا خالد انور کشن گنج، مفتی جاوید اقبال کشن گنج، پروفیسر شکیل احمد قاسمی پٹنہ، قاری مسلم ایاز جہاں آباد، مولانا مظفر آفاق جہان آباد، مولانا عمر فاروق قاسمی گیا، مولانا نوشاد عالم مظفر پوری، شریک ہوئے، جناب مولانا مرغوب الرحمن صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار نے اجلاس کی صدارت فرمائی، مولانا عبدالمجید اسحاق نے قرآن کریم کی تلاوت کی، تنظیم عالم کٹیہاری نے نعت نبی پیش کیا، سابقہ کاروائی کی خواندگی و توثیق، انتخاب صدر کی تائید وتحسین، نائبین صدور و جنرل سکریٹری کا انتخاب، رابطہ مدارس اسلامیہ بہار اور ضلعی شاخوں کو متحرک بنانے پر غور جیسے اہم ایجنڈوں پر غور وفکر کیا گیا، جناب مولانا مرغوب الرحمن نے صدارتی خطاب کے ساتھ، سابقہ کاروائی کی خواندگی کی، جس کی اراکین عاملہ نے توثیق فرمائی، کل ہند رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ کی جانب سے صدر کے لئے جناب مولانا مرغوب الرحمن قاسمی کے منتخب کئے جانے پر اراکین عاملہ نے تائید وتحسین فرمائی، نائبین صدور پر غور وفکر کرتے ہوئے چار نائبین کا انتخاب عمل میں عمل آیا، (۱) مولانا غیاث الدین قاسمی مہتمم جامعہ حسینیہ مدنی نگر کشن گنج (۲) مولانا قاری شہرت مہتمم جامعہ عربیہ اسلامیہ جعفر گنج، جہان آباد، مولانا محفوظ الرحمن مہتمم جامعہ سراج العلوم سیوان، مولانا صابر احمد مہتمم جامعہ دارالعلوم شیرنیا دربھنگہ، اور جنرل سکریٹری کے لئے جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ کے استاذ، معروف صحافی مفتی خالد انور پورنوی کو منتخب کیا گیا، رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار کو متحرک اور فعال بنانے پر زور دیا گیا، اس میں فیصلہ لیا گیا کہ تمام اضلاع کے صدور وسکریٹری اور مربوط مدارس سے باہمی ربط کو مضبوط کیا جائے، کام کی توسیع کی جائے اور وفود کے ذریعہ مربوط مدارس کا معائنہ کیا جائے، ضلعی شاخوں کو متحرک بنانے کے ساتھ، اس کی تشکیل جدید کے بارے میں فیصلہ لیا گیا کہ دوماہ کے اندر ضلعی شاخوں کی تشکیل جدید کی جائے، تاریخ کے تعین کا اختیار ریاستی رابطہ مدارس کو دیا گیا، مربوط مدارس کی نشست بلانے کے لئے ماہ دسمبر کے آخری دنوں کی تاریخ طے کی گئی، دیگر امور باجازت صدر محترم میں اراکین مجلس عاملہ نے تمام مدارس کے ذمہ داران سے اپیل کی کہ تمام مدارس کے رجسٹرڈ کو یقینی بنائیں اور حسابات آڈٹ بھی کرائے جائیں، مدارس میں دینیات کی تعلیم کے ساتھ، عصری علوم میں بھی مضبوطی پیدا کی جائے، مسلم لڑکیوں میں ارتداد کی خبریں جس انداز سے پھیل رہی ہیں، اس پر اراکین نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معاشرتی اصلاح کی طرف لوگوں کی توجہ دلائی، جناب مولانا محمد حارث مہتمم جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ نے پرتکلف ضیافت کی، تمام اساتذہ جامعہ مدنیہ سبل پور، پٹنہ نے بھی مہمانوں کے اکرام کے لئے بڑی جد وجہد کی، مولانا غیاث الدین کی رقت آمیز دعاء پر مجلس اختتام کو پہنچی۔

مراسلات

مراسلات مراسلات مراسلات مراسلات مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

ٹرسٹی مسجد کا خادم ہوتا ہے، مالک نہیں

مکرمی! افسوس کی بات ہے کہ ہم چاہتے تو یہ ہیں کہ پورے ملک بلکہ تمام عالم کا نظام درست ہو جائے اور اپنے محلّے کی مسجد تک کے نظام کو درست کرنے کی فکر نہیں کرتے۔ اکثر مسجدوں کا حال یہ ہے کہ ان پر بعض مخصوص لوگوں، خاندانوں یا جماعتوں کا قبضہ ہے، اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف ہوتے ہوئے بھی ان پر حکومت چند لوگ کرتے ہیں۔ وہ بھی ایسے لوگ جو مسجد اور وقف کے مسائل تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اہلِ محلّہ میں سے کسی کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ وہ حق کے لیے آواز اٹھائے اور اپنی ذمّہ داری ادا کرے۔ اس لیے اکثر متولی اور ٹرسٹی حضرات مسجد اور وقف کو اپنی پراپرٹی سمجھنے لگے ہیں۔ کسی نے کچھ کہا تو کہتے ہیں کہ تم سوال پوچھنے والے کون ہوتے ہو؟ اس میں تمھارا کیا حصہ لگا ہے؟ جب کہ انھوں نے جو چندہ بٹورا ہے، محلے سے ہو یا محلّے کی مسجد کے نام پر دور دراز کے مال داروں سے، اس میں عوام کو سوال کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ مسجد اللہ تعالیٰ کا گھر ہے، اس کی رکھوالی اور نگرانی کرنے والے کو متولی یا ٹرسٹی کہتے ہیں۔ متولی مسجد کا مالک نہیں خادم ہوتا ہے۔ اس عظیم خدمت کے کچھ تقاضے ہیں، اگر وہ پورے نہ کیے جائیں تو نیکی برباد گناہ لازم ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لیے مسجد کا متولی ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو ان تقاضوں کو جانتا اور انھیں پورا کرنے کے لیے کوشاں ہو۔ محض تعلق یا اثر ورسوخ کی بنیاد پر نا اہل کو یہ عظیم ذمّے داری سپرد کر دینا درست نہیں۔ اور خدا تعالیٰ جسے مسجد کی تولیت کا شرف بخشے اس کے ضروری ہے کہ پورے اخلاص وفہم کے ساتھ وہ اس ذمّے داری کو ادا کرنے کی کوشش کرتا رہے۔

دو حدیثیں: رسول اللہؐ نے فرمایا جس وقت امانت ضائع کردی جائیں تو قیامت کا انتظار کرنا۔ سوال کیا گیا؛ امانت کا ضائع کرنا کس طرح ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: جب کام نا اہل کے سپرد کیا جائے، تو قیامت کا انتظار کرنا۔ (بخاری) ایک حدیث میں ہے: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو اسے مسجد کی دیکھ بھال پر مقرر فرما دیتے ہیں اور جب کسی بندے سے ناراض ہوتے ہیں تو اسے حمام جیسی گھٹیا چیزوں پر لگا دیتے ہیں۔ (کنز العمال)

مسجد وقف اور خدا کا گھر ہے، کسی اور کی ملک نہیں، ملکیت کا دعویٰ کرنا غلط ہے اور کسی کے دعویٰ کرنے سے وہ اس کی ملک نہیں ہوجائے گی۔ جو شخص متولی ہے، وہ امانت دار ہے، مالک نہیں۔ (فتاوی محمودیہ) مسجد چندے یا ذاتی روپے سے وقف شدہ زمین میں تعمیر کرکے عام مسلمانوں کو اجازت دے دی اور وہاں اذان اور جماعت پنج گانہ اور جمعہ کی نماز شروع ہوگئی، کسی پر روک ٹوک نہیں اور محکمہ اوقاف میں اس کا اندراج مسجد ہی کے نام سے ہے تو بلاشبہ وہ مسجد ہے، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، نہ اس پر دعوائے ملک صحیح ہوگا، نہ وہاں کسی کو نماز پڑھنے سے روکا جائے گا۔ اب جو جائے داد مسجد کی زمین میں بنائی جائے اور اہلِ محلّہ چندہ کرکے مسجد کے لیے بنائیں، اس پر کسی خاص شخص یا خاندان کا دعوائے ملکیت ہرگز صحیح نہیں۔ (ماخوذ از فتاوی محمودیہ)

مسجد کا متولی عالم باعمل ہو، عالم نہ ہو تو دین دار اور دیانت دار تو ضرور ہو۔ غیر عالم فاسق کو متولی بنانا ناجائز ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد تحریر فرماتے ہیں: خدا پاک کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمان کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں۔ یہاں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ فاسق وفاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہوسکتا، کیونکہ دونوں کے درمیان کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی، بلکہ متضاد باتیں جمع ہوجاتی ہیں، وہ یہ کہ مساجد خدا پرستی کا مقام ہیں اور متولی خدا پرستی سے نفور۔ (فتاویٰ رحیمیہ) اس لیے متولی ایسے آدمی کو بنایا جائے جو امین ہو (خائن نہ ہو) دین دار ہو (بے دین نہ ہو)، انتظام وقف کی اہلیت اور اس سے دلچسپی رکھتا ہو، اس کو بلا وجہ ہٹا کر یا ابتداءً کسی فاسق غیر مدین کو متولی بنانا گناہ ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ) اگر متولی خائن ہے، یا غافل ہے، یا عاجز ہے کہ موافقِ شرع وقف کا انتظام صحیح طور پر نہیں کرسکتا اور اس سے وقف کو نقصان پہنچتا ہے، نیز یہ چیز شرعی شہادت سے ثابت ہے، تو متولیِ مذکور اس تولیت سے علیحدگی کے قابل ہے۔

افسوس فی زمانہ صرف مال داری دیکھی جاتی ہے، اگرچہ وہ بے علم وعمل ہو، نماز وجماعت کا پابند نہ ہو، فاسق ہو؛ حالانکہ مسجد کا متولی حقیقت میں نائبِ خدا شمار ہوگا، تو ایسے عظیم منصب کے لیے اس کے شایانِ شان متولی ہونا چاہیے، مگر افسوس لائق نالائق فاسق وفاجر سب متولی بننے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں، حدیث میں ہے کہ قیامت کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ ہے کہ بڑے بڑے عہدے نااہلوں کے سپرد کردیے جائیں گے، اور قوم کا سردار فاسق بنے گا۔ (فتاویٰ رحیمیہ) متولی کی اصل خدمت انتظام واہتمام مسجد ہے، اس میں ماہر ہونا ضروری ہے، لیکن چوں کہ متولی کو امین اور دیانت دار ہونا بھی لازم ہے اور جو شخص تارکِ فرائض بھی ہے وہ فاسق ہے، اور فاسق کو متولی بنانا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ) متولّی کے انتخاب میں ان چیزوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ وہ امانت دار، معتمد، دیانت دار اور متقی ہو، خائن، چور اور مسرف (فضول خرچ) نہ ہو۔ پھر یہ کہ وہ عاقل وبالغ ہو۔ (اسلام کا نظام مساجد)

مسجد کی آبادی اور تمام ضروریات کا انتظام کرنا، حساب صاف رکھنا، مسجد میں غلط کام نہ ہونے دینا، نمازیوں اور امام کے حسبِ حیثیت مسجد سے متعلق تکالیف کو رفع کرنا، ہر ایک کا اس کی شان کے موافق شرعی اکرام کرنا، اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، عہدے کا طالب نہ ہونا، احکامِ شرع کے تحت اپنی اصلاح میں لگے رہنا؛ یہ اوصاف جس متولی میں ہو، وہ قابلِ قدر ہے۔ (فتاوی محمودیہ جدید: ۳۴۲/۱۴) مصالحِ وقف کی رعایت نہ رکھنے اور خلافِ شرع عمل کرنے کی وجہ سے وہ مستحقِ عزل ہوتا ہے، بعد تحقیق جماعتِ منتظمہ خود یا کسی وقف بورڈ یا حکومت کے ذریعے اس کو معزول کرایا جاسکتا ہے۔

متولی کی وقف کی اصلاح وترقی سے چم پوشی حد درجے افسوس ناک ہے اور قصداً وقف کے انتظام میں کوتاہی ناقابلِ برداشت۔ عموماً یہ منظر کم وبیش ہر جگہ نظر آتا ہے کہ کافی آمدنی ہوتے ہوئے بھی مسجد کا نظام خراب سے خراب تر ہورہا ہے، نہ مسجد میں صفائی ہے، نہ روشنی کا انتظام۔ فرش ٹوٹ رہا ہے، دیواریں گر رہی ہیں، وضوخانے میں پانی ناپید ہے اور امام ومؤذن وقت کی پابندی سے کام نہیں کرتے ہیں۔ مزید یہ اور غضب ہے کہ وقف نامے کی صراحت کے باوجود امام کا انتخاب صرف مشاہرے کی وجہ سے نامعقول ہے، ایسا امام جو خود مسائلِ ضروریہ سے واقفیت نہیں رکھتا، دوسروں کی رہنمائی کیا کرے گا۔ متولی کو یقین رکھنا چاہیے کہ کل اس کو مرنا ہے، اپنے اعمال واخلاق کا حساب دینا ہے اور اپنی (باقی ص ۱۴ پر)

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 27 August 2021 Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر ..... عارف عزیز، بھوپال

• آزادی کی حفاظت کی ضرورت • آزادی کے ۷۴ سال پر ایک نظر

• مسلم مجاہدین آزادی کی خدمات کا اعتراف کیجئے

آزادی کی حفاظت کی ضرورت

ہندوستان کی آزادی کو ۷۴ برس پورے ہو چکے ہیں۔ قوموں کی تاریخ میں، سات دہائیوں سے زیادہ کی یہ مدت کچھ زیادہ نہیں ہوتی لیکن کرنے والے اس عرصہ میں بھی بہت کچھ کر لیا کرتے ہیں چنانچہ انگریزوں کی لوٹ کھسوٹ نے جس ملک کو کنگال بنا دیا تھا آج وہ تیسری دنیا کی ایک بڑی طاقت بن چکا ہے۔ یہ سب آزادی اور اس نظام کا ثمرہ ہے جس کو ہم جمہوریت کے نام سے جانتے ہیں مگر کچھ برسوں سے نہ صرف ہماری جمہوریت بلکہ آزادی کو بھی بعض خطرات لاحق ہو گئے ہیں۔ سماجی برائیاں بڑھتی جا رہی ہیں اور اخلاقی قدریں پامال ہو رہی ہیں۔ لوگوں کا جان و مال محفوظ نہیں رہا، عورتوں کی عزت و آبرو کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

آزادی ایک انسانی حق اور نعمت خداوندی ضرور ہے مگر جس طرح صحت کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس کی حفاظت کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں ورنہ صحت باقی نہیں رہتی اسی طرح آزادی کی بھی ذمہ داریاں اور تقاضے ہوتے ہیں انہیں اگر پورا نہ کیا جائے تو اول آزادی ایک مصیبت بن جاتی ہے۔

انسانوں نے انسانوں کی زندگی میں زہر گھولنا شروع کر دیا ہے وہ نہ خود چین سے ہیں نہ دوسروں کو سکون سے رہنے دینا چاہتے۔

اس ماحول میں فتنہ و فساد والی طاقتیں مزید طاقتور بن رہی ہیں، نفرت، پھوٹ اور فرقہ واریت انفرادی سطح سے بڑھ کر قومی سطح تک پھیل گئی ہے، علاحدگی پسند اور تخریبی عناصر سرگرم عمل ہیں۔ تعصب کا زور بڑھتا جا رہا ہے پہلے پنجاب اس کا مرکز بنا ہوا تھا اب کشمیر اور شمال مشرق ہی نہیں پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ گئے ہیں اور اس طرح قوم کی طاقت صلاحیت اور توانائی کا بڑا حصہ آپس کی لڑائی میں صرف ہو رہا ہے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور برباد کرنے کو کارنامہ تصور کیا جا رہا ہے، تشدد پوری تیزی سے پھیل رہا ہے قانون کی عمل داری ایک مذاق بن کر رہ گئی ہے اور آزادی و جمہوریت کے باوجود جس کی لاٹھی اس کی بھینس والی حالت پیدا ہو رہی ہے جس پر توجہ دینا اور اس کی اصلاح کی فکر کرنا ضروری ہے۔

آزادی ایک انسانی حق اور نعمت خداوندی ضرور ہے مگر جس طرح صحت کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس کی حفاظت کے تقاضے پورے کرنے پڑتے ہیں ورنہ صحت باقی نہیں رہتی اسی طرح آزادی کی بھی ذمہ داریاں اور تقاضے ہوتے ہیں انہیں اگر پورا نہ کیا جائے تو اول آزادی ایک مصیبت بن جاتی ہے دوسرے اس کا زیادہ عرصہ تک قائم رہنا دشوار ہو جاتا ہے۔

صرف جذباتی نعرے لگا کر اور آزادی کے گیت گا کر آزادی کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ آزادی کے تقاضے پورے کرنے کے لئے قومی اتحاد قانون کا احترام، کمزوروں کو اوپر اٹھانا اور دیانت داری سے محنت کرنا لازمی شرائط ہیں ورنہ فوج، ہتھیار اور ملک کی وسعت کے باوجود ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا ہے، اگر نفرت، ظلم اور پھوٹ کا لاوا اسی طرح ابلتا رہا تو ملک کا رقبہ بھی اتنا بڑا نہیں رہے گا۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جن لوگوں کو قوم اور ملک کے استحکام کی فکر ہے وہ وقت کی آواز پر کان دھریں، سماج کی اخلاقی قدریں پھر سے بحال کی جائیں۔ نفرت و تشدد کے مظاہرے پر روک لگائی جائے۔ صحتمند تعلیمی پالیسی کو اختیار کیا جائے، نئی نسل کو تعلیم، اخلاق اور احساس ذمہ داری سے سنوارا جائے، سماجی و معاشی انصاف قائم کیا جائے تبھی آزادی کے میٹھے پھل ہم کھا سکتے ہیں اور اس کی حفاظت کا کام انجام دے سکتے ہیں۔

آزادی کے ۷۴ سال پر ایک نظر

آزادی کی سالگرہ ہم گذشتہ ۷۴ برسوں سے ایک قومی تہوار کی صورت میں منا رہے ہیں ہماری قومی زندگی میں ۱۵ اگست کا دن کافی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس کے وسیلہ سے جہاں ہمیں اپنے اسلاف کی قربانیوں کو یاد کرنے کا موقع ملتا ہے وہیں کامیابی و کامرانی کی شاہراہ پر آگے بڑھنے کے لئے نیا جوش اور ولولہ بھی حاصل ہوتا ہے، ساتھ ہی ہم اس بات کا جائزہ لے سکتے ہیں کہ آزادی کی بنیادی ضرورتوں یعنی اتحاد و یک جہتی، سماجی خوشحالی اور اقتصادی ترقی میں اپنی ذمہ داری کس حد تک نبھا سکے ہیں۔

آزادی کے ان برسوں میں ہم نے زندگی کے مختلف میدانوں میں وہ قابل ذکر کامیابیاں حاصل کی ہیں جن پر بجا طور سے فخر کیا جا سکتا ہے لیکن ہماری ناکامیوں اور کمزوریوں کی فہرست بھی کم طویل نہیں اور جب اس پر نظر ڈالی جاتی ہے تو فطری طور پر ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے۔

آج ہمیں یہ اعتراف کرنے میں قطعی جھجک نہیں ہونا چاہئے کہ آزادی کے ۷۴ برسوں میں ہمارے اندر قومی شعور پیدا نہ ہو سکا، ہم فرقوں ذاتوں علاقوں اور زبانوں کی بنیاد پر سوچتے اور اپنا رویہ متعین کرتے ہیں۔ شمال مشرق کی ریاستوں آسام، ناگالینڈ، منی پور وغیرہ میں تشدد کے مظاہرے، کشمیر میں آگ و خون کا کھیل، گجرات میں نفرت و تعصب کا ابھار، بہار، بنگال، مدھیہ پردیش اور آندھرا پردیش کے قبائلی علاقوں میں نکسلی تحریک کے عمل دخل کے ساتھ ساتھ جہیز کے لئے بہوؤں کو زندہ جلا دینا، تمام تر ترقیات کے باوجود بے روزگاری، بدامنی اور بدعنوانی کا دور دورہ اور ہمارے رہنماؤں کا یہ کہنا کہ ملک میں تشدد کو باہر سے مدد مل رہی ہے، پوری قوم کو اپنے گریباں میں جھانکنے اور اپنا جائزہ لینے پر مجبور کرتا ہے۔

آزادی کے ۷۴ برسوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ ملک کی اقلیتیں خود کو سب سے زیادہ غیر محفوظ سمجھ رہی ہیں، انہیں آزادی کی سات دہائیاں گزر جانے کے باوجود اپنی مذہبی، تہذیبی اور لسانی شناخت کے تحفظ کے بارے میں غیر معمولی خطرات لاحق ہیں، یہ کسی جمہوری ملک کے لئے اچھی علامت نہیں، نہ کسی آزاد قوم کے شایان شان ہے بلکہ ایسی مثالوں سے بحیثیت قوم ہماری کمزوری کا اظہار ہوتا ہے اگر ہم اپنی ان کمزوریوں کو دور نہ کر سکے تو مستقبل میں ایک قوم کی شکل میں ہمارا متحد رہنا دشوار ہو جائے گا۔

دوسرا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ ہمارے یہاں کی سیاسی جماعتیں ان مسائل کو حل کرنے کے بجائے صرف اقتدار کی روشنی میں دیکھتی ہیں اور بیشتر کا حال تو یہ ہے کہ وہ مسئلوں کو حل کرنے سے زیادہ ان کا فائدہ اٹھانے پر یقین رکھتی ہیں جس کی وجہ سے ۷۴ برسوں میں عام آدمی کی مشکلات کا حجم برابر بڑھتا جا رہا ہے۔ تاہم روز افزوں تشدد ہو یا زندگی کے دوسرے مصائب و مشکلات ان سے پریشان ہونا نہیں چاہیے کیونکہ ابتلاء و آزمائش کے مراحل سے وہی گزرتے ہیں جو زندگی کے لئے جدوجہد میں سرگرم رہتے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانے کے بجائے کچھ کر کے دکھانے پر یقین رکھتے ہیں۔

آزادی بلاشبہ ایک نعمت ہے لیکن اسی وقت جب ملک کا ہر شہری اس کے فوائد سے بہرہ ور ہو اور کسی ایک فرد یا طبقہ کو آزادی کی نعمتوں سے محروم کر دیا جائے تو ایسی آزادی کو کیسے نعمت کہا جا سکتا ہے لہٰذا ۱۵ اگست کو آزادی کی سالگرہ مناتے ہوئے لال قلعہ پر ترنگا لہرا دینا وزیر اعظم کی تقریر سن لینا ہی کافی نہیں ہوگا بلکہ اس سے کہیں زیادہ اہم اور ضروری یہ ہوگا کہ خوشی و مسرت کے اس دن کو ہم یوم احتساب کے طور پر منائیں اور ۷۴ سالہ کارگزاری کا جائزہ لینے کے بعد یہ عہد کریں کہ ہم اپنے کردار و عمل سے آزادی کی بہر صورت حفاظت کریں گے اور اس برائی کے خلاف سینہ سپر ہو جائیں گے جو آزادی کی روح کو مضمحل کرنے والی ہو یہی یوم آزادی منانے کا حاصل اور آزادی کا مقصود ہونا چاہئے۔

مسلم مجاہدین آزادی کی خدمات کا اعتراف کیجئے

ہندوستان کی جنگ آزادی میں جس طبقہ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اسے اپنا ملی اور قومی فریضہ سمجھا وہ مسلمان اور خاص طور پر ان کے علمائے کرام تھے جنہوں نے یہ کام انفرادی طور پر بھی کیا اور اجتماعی طور پر بھی لیکن جو بات سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ آزادی کی تحریک مذہبی جذبہ سے سرشار ہو کر چلائی خواہ وہ شیخ الہند مولانا محمود الحسن ہوں، مولانا ابوالکلام آزاد، حکیم اجمل خاں ہوں، علی برادران ہوں، مولانا برکت اللہ بھوپالی ہوں یا مولانا نورالدین بہاری جنہوں نے اپنا خون پسینہ بہا کر آزادی کی تحریک کو تازگی بخشی اور اس کانگریس کو انقلابی رخ عطا کیا جو شروع میں درخواستیں پیش کرنے کی حد تک محدود تھی، مگر دیکھتے ہی دیکھتے اس نے مطالبات شروع کر دیئے۔ عاجزی کے بجائے اس کے لہجہ میں وقار اور خود اعتمادی پیدا ہو گئی اور اس وقت تو کانگریس پر دور شباب آ گیا جب ہندوستان کے مسلمانوں نے خلافت جیسی ہمہ گیر، ولولہ انگیز اور پرموثر تحریک کا ڈھانچہ کھڑا کر کے سیاست کے عوامی جذبات کے ایک تیز و تند دھارے میں تبدیل کر دیا اسی طرح کانگریس کے پرچم تلے بھی مسلمانوں نے آزادی کے حصول کے لئے ایک ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔ طیب جی اور مولانا ابوالکلام آزاد برسوں کانگریس کے صدر رہے۔ مکمل آزادی کا ریزولیشن سب سے پہلے خلافت کانفرنس میں مولانا آزاد سبحانی نے پیش کیا جس کی تائید مولانا حسرت موہانی کی۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ جنگ آزادی کی تاریخ میں مسلمانوں کے اس کردار کو قطعی انداز کر دیا گیا۔ ساتھ ہی آزادی کے ۷۴ برسوں کے دوران ڈاکیومینٹری فلموں، نصاب کی کتابوں اور اخبار و رسائل کے صفحات سے برابر یہ تاثر دیا جاتا رہا ہے کہ جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔ بھوپال ایک نوابی ریاست ہونے کے باوجود تحریکات آزادی کا مرکز رہی، اس کی خاک

(بقیہ ص ۱۴ پر)

مکمل آزادی کا ریزولیشن سب سے پہلے خلافت کانفرنس میں مولانا آزاد سبحانی نے پیش کیا جس کی تائید مولانا حسرت موہانی کی لیکن افسوس صد افسوس کہ جنگ آزادی کی تاریخ میں مسلمانوں کے اس کردار کو قطعی انداز کر دیا گیا۔ ساتھ ہی آ مختلف ذرائع سے برابر یہ تاثر دیا جاتا رہا ہے کہ جدوجہد آزادی میں مسلمانوں کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے۔

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمنٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

ضروری اعلان

آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: 1 بذریعہ منی آرڈر
2 Paytm یا PhonePe کے ذریعہ 9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
3 آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر اور دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم
امیرالہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ
کی حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کا
امیرالہند رابع نمبر
انشاء اللہ ماہ ستمبر ۲۰۲۱ء کے آخر تک منظرعام پر آرہا ہے
تفصیلات آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیں

رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمنٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای۔میل: aljamiatweekly@gmail.com

Printed & Published by SHAKIL AHMAD SYED on behalf of Jamiat Trust Society printed at Shervani Art Printers, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor MOHD. SALIM, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.

Designing & Composing: HUMRAN AZMI